فقہ حنفی پر اعتراضات

اور

اس کے جوابات

از ملفوظات

مناظر اسلام فضیلۃ الشیخ أنوار الحق
حفظہ اللہ تعالی

جمع و ترتیب
حشمت علی بن شاد علی

فہرست مضامین

کیا واقعی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اشعار مکروہ ہے؟ 2
کیا ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تقلید کی ترید کی ہے؟ 5
کیا فقہ حنفی میں اجرت پر لی ہوئی عورت سے زنا کرنے پر کوئی حد نہیں ؟ 7
کیا واقعی فقہ حنفی میں ماں کے ساتھ زنا کرنا جائز ہے ؟ 9
کیا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لواطت جائز ہے ؟ 11
کیا فقہ حنفی میں ذمی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا جائز ہے ؟ 16
کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے ذمی کے حکم سے متعلق 19
کیا فقہ حنفی میں گانے بجانے والوں کے مجالس میں شرکت کرناجائزہے ؟ 23
کیا فقہ حنفی میں گانے بجانے پر اجرت دینا جائز ہے ؟ 27
کیا گانے بجانے کے حکم کے بارے میں 32
کیا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ھدی اور سنت ہے ؟........................ 35
کیا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مسنون ہے ؟ 43
کیا آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ہر عمل سنت اور ہر حدیث واجب العمل ہوتا ہے ؟ 49
مسئلہ لزم النفل بالشروع 55
کیا فرض نمازوں میں بچے کی امامت درست ہے؟ 61
مسئلہ وضع الیدین تحت السرۃ 71
کیا فجر کے دو رکعت سنتیں سورج طلوع 101

کیا واقعی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اشعار مکروہ ہے؟

اعتراض نمبر ۱: بعض لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اشعار کے قائل نہیں ہے اور اسے مکروہ سمجھتے ہیں، ابن حزم تحریر فرماتے ہیں : " قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ: وَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِي هَذَا فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: أَكْرَهُ الْإِشْعَارَ، وَهُوَ مُثْلَةٌ قَالَ عَلِيٌّ: هَذِهِ طَامَّةٌ مِنْ طَوَامِّ الْعَالَمِ أَنْ يَكُونَ مِثْلَهُ شَيْءٍ فَعَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُفٍّ لِكُلِّ عَقْلٍ يَتَعَقَّبُ حُكْمَ صلی اللہ علیہ وسلم"۔[1]

آگے تحریر فرماتے ہیں:"وَالْإِشْعَارُ كَانَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَالنَّهْيُ عَنْ الْمُثْلَةِ كَانَ قَبْلَ قِيَامِ ذَلِكَ بِأَعْوَامٍ؛ فَصَحَّ أَنَّهُ لَيْسَ مُثْلَةً وَهَذِهِ قَوْلَةٌ: لَا يُعْلَمُ لِأَبِي حَنِيفَةَ فِيهَا مُتَقَدِّمٌ مِنْ السَّلَفِ، وَلَا مُوَافِقٌ مِنْ فُقَهَاءِ أَهْلِ عَصْرِهِ إلَّا مَنْ ابْتَلَاهُ اللَّهُ بِتَقْلِيدِهِ وَنَعُوذُ بِاَللَّهِ مِنْ الْبَلَاءِ"۔[2]

نیز مولوی امین اللہ لکھتے ہیں :" (د حدیث خلاف فقه حنفی) واشعر البدنة عند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله (ولا يشعر عند أبي حنيفة) رحمه الله (ويكره) ترجمه: د ابو یوسف او محمد په نزد نښه کول په اوښ کښی جائز ده ، او د ابو حنیفه په نزد به نه کوي او دا مکروه کار دی۔ مقصد دا دي چې د احناف په نزد اشعار جائز نه دی نو قول هم د احنافو د صحیح حدیث نه خلاف دے"۔[3]

---

[1]: المحلی لابن حزم ، ج: ۵ ، ص: ۱۰۳ ،ن: دار الفکر بیروت لبنان۔

[2]: المحلی لابن حزم ، ج: ۵ ، ص: ۱۰۳ ،ن: دار الفکر بیروت لبنان۔

[3]: "فقه حنفی بمقابله حدیث نبوی، ص: ۲۲۹ ، ط :مکتبة السنة۔

جواب : مذکورہ بالا اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اشعار مکروہ ہے جبکہ حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار کیا تھا ۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات حقیقت الحال کے خلاف ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اشعار کو مکروہ سمجھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اشعار کو سنت مانتے ہیں، البتہ جب اس میں اسی زمانے کے بعض لوگوں نے مبالغے سے کام لیا اور جانوروں کو زیادہ زخمی کرنا شروع کیا، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی زمانے کی مذکورہ تجاوز والی اشعار کو مکروہ قرار دیا ، آپ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے مسنون اشعار کو مکروہ کہا ہو، انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "واعلم أن اباحنيفة لم ينكر اصل الاشعار بل إشعار زمانه، كما ذكره الطحاوی"۔ [1]

"رمی الجمرات" چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے ساتھ سنت ہے لیکن اگر کوئی شخص کنکریوں کے بجائے چپل وغیرہ کو استعمال میں لائے تو کیا کوئی اسے سنت مانے گا ؟ ہر گز نہیں، الغرض جس طرح رمی الجمرات سنت ہے لیکن چھوٹی چھوٹی کنکریوں کو پھینکنے کے ساتھ نہ کہ چپل وغیرہ کو پھینکنے سے، اسی طرح اشعار بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے لیکن اس میں حد سے تجاوز کرنا اور جانوروں کو اس حد تک زخمی کرنا کہ اس کا گوشت نظر آئے کو آپ رحمۃ اللہ علیہ مکروہ سمجھتے ہیں، اصل اشعار سے متعلق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر مذکورہ الزام بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اشعار کے قائل تھے اور اسے سنت مانتے تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "وقد كثر تشنيع المتقدمين على أبي حنيفة في إطلاقه كراهة الإشعار وانتصر له

[1]: "فيض البارى شرح صحيح البخاري، كتاب الحج، ج: ۳، ص: ۲۵۳، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

الطحاوي في "المعاني" فقال: لم يكره أبو حنيفة أصل الإشعار وإنما كره ما يفعل على وجه يخاف منه هلاك البدن كسراية الجرح لا سيما مع الطعن بالشفرة فأراد سد الباب عن العامة؛ لأنهم لا يراعون الحد في ذلك، وأمّا من كان عارفاً بالسنة في ذلك فلا "۔[1]

آگے تحریر فرماتے ہیں: "وقد بالغ ابن حزم في هذا الموضع ويتعين الرجوع إلى ما قال الطحاوي فإنه أعلم من غيره بأقوال أصحابه"۔[2]

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ مبہم بیانی کے بارے میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں : "قلت: هَذَا سفاهة وَقلة حَيَاء، لِأَن الطَّحَاوِيّ الَّذِي هُوَ أعلم النَّاس بمذاهب الْفُقَهَاء، وَلَا سِيمَا بِمذهب أبي حنيفَة، ذكر أَن أَبَا حنيفَة لم يكره أصل الْإِشْعَار، وَلَا كَونه سنة، وَإِنَّمَا كره مَا يفعل على وَجه يخَاف مِنْهُ هلاكها لسراية الْجرْح، لَا سِيمَا فِي حر الْحجاز مَعَ الطعن بِالسِّنَانِ، أَو الشَّفْرَة، فَأَرَادَ سد الْبَاب على الْعَامَّة، لأَنهم لَا يراعون الْحَد فِي ذَلِك، وَأما من وقف على الْحَد فَقطع الْجلد دون اللَّحْم فَلَا يكرههُ"۔[3]

خلاصہ یہ کہ جن لوگوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر مذکورہ اعتراض کیا ہے وہ یا تو جہالت کی وجہ سے کیا ہے یا محض تعصب مذہبی کی وجہ سے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ تحریر

---

[1]: "فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الحج، ج: ٣،ص: ٥٤٤، الناشر: دار المعرفة بيروت، لبنان۔

[2]: المصدر السابق

[3]: "عمدة القارئ شرح صحيح البخاري، كتاب الحج، ج: ١٠، ص: ٣٥، **الناشر: دار إحياء التراث العربي بيروت۔**

فرماتے ہیں : "وَقد رَأَيت كل مَا ذكره، وَفِيه أريحية العصبية والحط على من لَا يجوز الْحَط عَلَيْهِ، وحاشا من أهل الْإِنْصَاف أَن يصدر مِنْهُم مَا لَا يَلِيق ذكره فِي حق الْأَئِمَّة الأجلاء على أَن أَبَا حنيفَة قَالَ: لَا أتبع الرَّأْي وَالْقِيَاس إِلَّا إِذا لم أظفر بِشَيْء من الْكتاب أَو السّنة أَو الصَّحَابَة، رَضِي الله تَعَالَى عَنْهُم "۔[1]

کیا ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تقلید کی تردید کی ہے؟

اعتراض نمبر: ۲ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح عین العلم" میں تقلید کی تردید کی ہے، چنانچہ مولوی امین اللہ اپنی کتاب "د تقلید او د مقلدینو اقسام" میں تحریر فرماتے ہیں: "ملا علی قاری رحمه الله فرمائی : ومن المعلوم أن الله سبحانه وتعالى ما كلف أحدا أن يكون حنفيا أو شافعيا أو حنبليا بل كلفهم أن يعملو بالسنة"۔

(دا معلومه خبره ده چې الله تعالى هيڅ يو شخص لره په دې باند نه دي مكلف كړى چې دے د حنفي يا شافعي يا حنبلي شي ، بلكه په دې باند ے ئے مكلف كړى دى چې عمل اوكړى په سنت باند ے)۔[2]

جواب : مولوی امین اللہ نے شرح عین العلم کی مذکورہ عبارت سے تقلید کی

---

[1]: "عمدة القارئ شرح صحيح البخاري، كتاب الحج، ج:١٠، ص:٣٥، الناشر: دار إحياء التراث العربي بيروت۔

[2]: "د تقليد حقيقت او د مقلدينو اقسام، ص:٦٩، مكتبه: منهاج السنة۔

تردید پر استدلال کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شرح عین العلم کے مصنف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت سے مقصود تقلید کا تردید نہیں بلکہ اثبات کرنا ہے، کیونکہ وہ خود ہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔ دراصل موصوف نے شرح عین العلم کی عبارت میں خیانت سے کام لیا ہے چنانچہ شرح عین العلم کا اصل عبارت ملاحظہ کیجئے : "وقد قال الله تعالى : ﴿فاسئلو أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ فمن تبع عالما لقي الله سالما ، ومن المعلوم أن الله سبحانه ما كلف أحدا أن يكون حنفيا أو شافعيا أو حنبليا بل كلفهم ان يعملوا بالكتاب والسنة ان كانو علماء وأن يقلدو العلماء اذا كانو من الجهلاء "۔[1]

اب آپ لوگ "شرح عين العلم" کی مذکورہ اصل عبارت سے موصوف کی خیانت شدہ عبارت کا موازنہ کیجئے تو آپ موصوف کی اس علمی خیانت پر حیران رہ جاوگے، موصوف کی عبارت میں "بالكتاب" کے الفاظ غائب ہیں، نیز مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے آخر کلام میں "بل كلفهم" کے لئے جوضروری شرط بیان کی ہیں،کہ اگر وہ علماء (مجتہدین) ہو تو وہ اسی کے مکلف ہیں۔ موصوف نے من پسند مطلب اختراع کرنے کے لئے علمی خیانت کا اعلی مظاہرہ کرتے ہوئے اسے کلی طور پر غائب کردیا۔۔۔۔

الغرض جن الفاظ سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ تقلید کی اثبات کر رہے ہیں بالکل اسی الفاظ سے موصوف نے از راہ خیانت علمی تقلید کی تردید کرنے کی ناکام کوشش کی ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح شیعہ قرآن کی آیت : ﴿ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

[1]: "شرح عين العلم وزين الحلم، ج:١، ص:٤٤٦۔

سے پاؤں کا مسح کرنے پر استدلال کر رہے ہیں، حالانکہ آیت کریمہ میں حکم پاؤں دھونے کا ہے،انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"**ومن العجائب أن ما يجعلونه لعنهم الله تعالى حجة لمسح الأرجل هو بعينه حجة للغسل عند السلف**"۔ [1]

کیا فقہ حنفی میں اجرت پر لی ہوئی عورت سے زنا کرنے پر کوئی حد نہیں ؟

اعتراض نمبر:۳ بعض لوگ فقہ حنفی پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں اجرت پر لی ہوئی عورت سے زنا کرنے پر کوئی حد نہیں جیسا کہ مولوی امین اللہ لکھتے ہیں :"(۱۱۱) **فقه کی راځی لکه قاضی خان ٤ / ٤٠٧ ، کنز ٢ / ١٠٧ چه یو سړی یوه زنانه په کرایه راولی او زنا ورسره اوکړی نو حد پری نشته دے**۔" [2]

جواب : بعض اوقات کسی جرم میں حد اس وجہ سے جاری نہیں ہوتی کہ وہ جرم زیادہ سخت ہوتاہے۔محرمات سے نکاح کرنےوالے شخص کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حد نہیں بلکہ تعزیرہے جو کہ اس میں حد سےزیادہ سخت سزا ہے یعنی قتل۔ کیونکہ ایسا شخص مرتد ہونے کی وجہ سے واجب القتل ہے خواہ مذکورہ شخص محصن

[1]: "فيض البارى شرح صحيح البخاري، ج:١، ص:٢٦٨ ، مكتبه اشرفيه۔

[2]: "دتقیلد حقیقت ، ص: ١٣٨، مکتبه : منهاج السنة۔

(شادی شدہ) ہو یا غیر محصن (غیر شادی شدہ) ہو ....۔

اسی طرح بعض اوقات حد زنا شبہہ کی وجہ سے بھی ساقط ہوتا ہے، جیسا کہ شیخ صالح بن فوزان تحریر فرماتے ہیں : "ولا یجب الحد الا اذا خلا الوطي من الشبهة لقوله علیه السلام "ادرؤو الحدود بالشبهات ما استطعتم " فلا حد علی من وطی إمرأة یظنها زوجته او وطئها بعقد باطل اعتقد صحته"۔[1] مشہور محقق علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"ومن شبهة العقد إذا استاجرها لیزنی بها ففعل لا حد علیه ویعزر وقالا یحد"۔[2]

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شبہہ واقع ہونے کی وجہ سے اگر چہ حد ساقط ہوا لیکن اس کے لئے تعزیر ہے خلیفہ اسے اس کی جرم کے مطابق سزا دے گا، لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ یہ جرم نہیں...۔لیکن اس کے باوجود مذکورہ مسئلہ میں احناف کا مفتی بہ قول حد واجب ہونے کا ہے کما فی فتح القدیر لابن همام : "والحق في هذا کله وجوب الحد"۔[3]

نیز درالمختار مع رد المحتار (٤ / ١٧٢) میں ہے : "والحق وجوب الحد کالمستأجرة للخدمة"۔

---

[1]: الملخص الفقهی للشیخ صالح بن الفوزان، ج: ۲ ، ص: ۳۲۵ مکتبہ : دار المنهاج ریاض۔

[2]: "فتح القدیر ، کتاب الحدود، ج: ٥ ، ص: ٤٢ ، مکتبہ : رشیدیه۔

[3]: "فتح القدیر ، کتاب الحدود، ج: ٥ ، ص: ٤٢ ، مکتبہ : رشیدیه۔

کیا واقعی فقہ حنفی میں ماں کے ساتھ زنا کرنا جائز ہے ؟

اعتراض نمبر ٤: بعض لوگوں نے فقہ حنفی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں ماں کے ساتھ زنا کرنا جائز ہے اورایسا کرنے والے پر کوئی حد لازم نہیں، جیسا کہ مولوی امین اللہ لکھتے ہیں : "فقه کنبې راځی لکه (قاضی خان ٤ / ٤٠٧) چه یو سړی د خپلی لور یا خور یا ترور سره نکاح وکړه او جماع یې هم ورسره اوکړه ، نو په ده باندې حد نشته اگر که دا وائی چه ماته ئې حرموالے هم معلوم دی ـ نو فکر اوکړئ چه د دے خبرے او د نبی علیه السلام حکم سره څومره تعارض دے ! یو سړی د پلار د ښځے سره نکاح کړی وه . نبی صلی الله علیه وسلم د هغه د سر پریکولو حکم وکړو نو د دے قسم سړی حکم او حد په شرع کی قتل دے نو څرنگ وائی چه حد پری نشته ؟"[1]

جواب: بعض جہلاء اور فساق کو یہ شبہہ اس وجہ سے لگا ہے کہ محرمات کے ساتھ نکاح کی حرمت معلوم ہوجانے کے باوجود ماں سے نکاح اور ہمبستری کرنے کے بعد بھی اس کے کرنے والے پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی حد واجب نہیں ہے جبکہ غیر محرمات کے ساتھ زنا کرنے پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے نزدیک محصن (شادی شدہ) کیلئے سو ١٠٠ کوڑے اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) کے لئے رجم

---

[1]: "د تقلید حقیقت ، ص: ١٣٨ ، مکتبه : منهاج السنة۔

یعنی اسے سنگسار کرنا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا گناہ دوسرے زانیوں کی گناہ سے کئی سنگین ہے کیونکہ حرمت کی علم رکھنے کے باوجود اپنی ماں سے نکاح کرنے والا شخص محض نکاح کرنے سے ہی مرتد ہو جاتا ہے اگرچہ اس نے جماع بھی نہیں کی ہو، چونکہ احادیث صحیحہ کی رو سے مرتد کی سزا قتل ہے اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی سزا عام زانی کی سزا کی بنسبت زیادہ سخت ہے (یعنی قتل کرنا چاہئیے)، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کو زیادہ جاننے والا فقیہہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "ویتعین الرجوع الی ما قال الطحاوی فانه أعلم من غیره بأقوال أصحابه"۔[1]

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"وكان من الحجة على الذين احتجوا عليهما بما ذكرنا أن في تلك الآثار أمر النبي ﷺ رسوله بالقتل وليس فيها ذكر الرجم ، ولا ذكر إقامة الحد ، وقد أجمعوا جميعا أن فاعل ذلك لا يجب عليه قتل ، إنما يجب عليه في قول من يوجب الحد عليه الرجم إن كان محصنا ، فلما لم يأمر النبي ﷺ الرسول بالرجم ، وإنما أمره بالقتل ، ثبت بذلك أن ذلك القتل ليس بحد للزناء ، ولكنه لمعنى خلاف ذلك ، وهو أن ذلك المتزوج فعل ما فعل من ذلك على الاستحلال ، كما كانوا يفعلون في الجاهلية ، فصار بذلك مرتدا ، فأمر رسول الله ﷺ أن يفعل به ما يفعل بالمرتد ، وهكذا كان أبو حنيفة وسفيان رحمهما الله ، يقولان في هذا المتزوج إذا كان أتى في ذلك على الاستحلال أنه يقتل ، فإذا كان ليس في هذا الحديث ما

[1]: فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الحج ،ج: ۳ ، : ۴۲۹ مكتبة أحياء التراث بیروت۔

ينفي ما يقول أبو حنيفة وسفيان ، لم يكن فيه حجة عليهما ؛ لأن مخالفهما ليس بالتأويل أولى منهما"۔[۱]

کیا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لواطت جائز ہے، اور اس پر کوئی حد نہیں ؟

اعتراض نمبر:۵ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فقہ حنفی میں لواطت جائز ہے اور اس پر کوئی حد نہیں، جس کیلئے وہ ہدایہ کا عبارت پیش کرتے ہیں کہ ہدایہ میں ہے:

"ومن اتى إمرأة فى الموضع المكروه أو عمل عمل قوم لوط فلا حد عليه عند أبي حنيفة رحمه الله"۔[۲]

نیز فتاویٰ قاضیخان میں ہے : "ولو جامع أجنبية في دبرها قال أبو حنيفة رحمه الله يعزر اشد التعزير ولا حد عليه"۔[۳]

جواب : یہ بات غلط ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لواطت کو جائز سمجھتے ہے ... آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ لواطت زنا سے بھی سنگین جرم ہے،اس لئے حاکم کو اختیار ہے کہ اسے زنا کی سزا سے سخت سزا دے، لیکن اس سے بعض لوگوں کو یہ شبہہ ہوا

[۱]: "شرح معانی الاثار، باب من تزوج امرأة أبيه أو ذات محرم منه فدخل بها، ج:۲،ص: ۸٦، مكتبه: رحمانيه۔

[۲]: "الهداية، كتاب الحدود، ج:۲، ص: ۱۸۳، مكتبه سيد أحمد شهيد۔

[۳]: "فتاوى قاضى، كتاب الحدود، ج: ٤٣، ص: ٤٠٨، مكتبه اشرفيه۔

ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لواطت کو جائز سمجھتے ہیں،حالانکہ یہ بات غلط ہے، ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"ونظير هذا : ما يتوهمه كثير من الفسقة وجهال الترك وغيرهم ان مذهب أبي حنيفة رحمه الله ان هذا ليس من الكبائر وغايته ان يكون صغيرة من الصغائر ، وهذا من اعظم الكذب والبهت على الأئمة فقد اعاذ الله اباحنيفة وأصحابه من ذلك.........."وشبهة هؤلاء الفسقة الجهلة : انهم لما رأوا اباحنيفة رحمه الله تعالى لم يوجب فيه الحد ركبو على ذلك أنه ليس من كبائر الذنوب، بل من صغائرها، وهذا ظن كاذب، فإن اباحنيفة لم يسقط فيه الحد لخفة أمره فإن جرمه عنده وعند جميع أهل الإسلام أعظم من جرم الزنا"۔[1]

لواطت کی جواز کی نسبت صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہی نہیں کیا جاتا بلکہ بعض لوگوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک " جماع فی الدبر " جائز ہے حالانکہ ان کی طرف یہ نسبت غلط ہے چنانچہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "وصنف بعضهم كتابا في هذا الباب، وقال فی اثنائه : باب فی المذهب المالكي وذكر فيه الجماع فی الدبر من الذكور والإناث، وقد علم أن مالكا رحمه الله تعالى من أشد الناس وأسدهم مذهبا فی هذا اللباب ، حتى أنه يوجب قتل اللوطی حدا ، بكرا كان أو ثيبا ، وقوله فی ذلك هو أصح المذاهب ، كما دلت عليه النصوص، واتفق عليه أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ، وإن اختلفت أقوالهم فی كيفية قتله ، كما سنذكره أن شاء الله تعالى وسبب غلط

---

[1]: "إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان، ج ۲ ، ص: ۱٤٤ ، **الناشر: مكتبة المعارف، الرياض، المملكة العربية السعودية۔**

هذا وأمثاله : أنه قد نسب إلى مالك رحمه الله تعالى القول بجواز وطئ الرجل امرأته فی دبرها وهو كذب على مالك وأصحابه مكتبهم كلها مصرحة بتحريمه ، ثم لما استقر عند هؤلاء أن مالكا يبيح ذلك نقول الإباحة من الإناث إلى الذكور "۔[1]

حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ بعض فساق اور جہال نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کی طرف اس بات کی جھوٹی نسبت کی ہے کہ وہ دونوں لواطت کو جائز مانتے تھے اور یہ کہ ان کے نزدیک اس پر کوئی حد نہیں، حالانکہ ان کے نزیک یہ فعل زنا سے بھی بڑا جرم ہےاور ان کے مذاہب میں اس فعل کے ارتکاب کرنے والے کے لئے سخت سے سخت سزائیں مذکور ہیں...،نیز جولوگ ہدایہ کا عبارت پیش کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لواطت جائز ہے دراصل وہی لوگ ہدایہ کا پورا عبارت پیش نہیں کرتے چنانچہ ہدایہ کا پورا عبارت ملاحظہ ہو :"ومن اتى إمرأة فى الموضع المكروه أو عمل عمل قوم لوط فلا حد عليه عند أبي حنيفة رحمه الله ويعزر"۔[2]

یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لواطت پر کوئی حد نہیں بلکہ اس پر سخت ترین تعزیر ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لواطت جائزہےان سے سوال یہ ہے کہ کیا جائز عمل پر کوئی تعزیر ہوتی ہے ؟

حقیقت یہ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لواطت کی سزا زنا کی سزا سے زیادہ

---

[1]: "إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان، ج ۲ ، ص: ۱٤٤ ، **الناشر: مكتبة المعارف، الرياض، المملكة العربية السعودية۔**

[2]: "الهداية، كتاب الحدود، ج: ۲ ، ص: ۱۸۳ ، مكتبه سيد أحمد شهيد۔

ہے ، جیسا کہ امام مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"وله أنه ليس بزنا لاختلاف الصحابة فی بموجبه من الاحراق بالنار وهدم الجدار والتنكيس من مكان مرتفع بإتباع الأحجار وغير ذلك"۔[۱]

شیخ صالح بن فوزان تحریر فرماتے ہیں :"قال شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله :"والصحيح الذى اتفقت عليه الصحابة :ان يقتل الاثنان: الاعلى ولاسفل ، سواء كانا محصنين او غير محصنين " قال : "ولم يختلف الصحابة فی قتله ولكن تنوعو فيه ....وعن بعضهم أنه يرفع على أعلى الجدار فی القرية ، ويرمی منه ، ويتبع بالحجارة"۔[۲]

اسی طرح علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "ولابی حنيفة رحمه الله أنه ليس بزنا ولا معناه فلا يثبت فيه حد ذلك ولأن الصحابة اختلفوا في موجبه فمنهم من أوجب فيه التحريق بالنار ومنهم من قال يهدم عليه الجدار ومنهم من يلقيه من مكان مرتفع مع إتباع الأحجار فلو كان زنا في اللسان أو فی معناه لم يختلفوا بل كانوا يتفقون على إيجاب حد الزنا عليه فاختلافهم فی موجبه وهم أهل اللسان أدل دليل على أنه ليس من مسمى لفظ الزنا لغة ولا معناه"۔[۳]

یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لواطت نہ زنا ہے اور نہ ہی زنا کے معنی میں

---

[۱]: "الهداية، كتاب الحدود، ج:۲ ، ص:۱۷٤ ، مكتبه سيد أحمد شهيد۔

[۲]: "الملخص الفقهی للشيخ صالح بن الفوزان، كتاب الحدود والتعزيرات ، ج:۲ ، ص:۳۲۸ ، مكتبه: دار المنهاج رياض۔

[۳]: "فتح القدير لابن همام رحمۃ اللہ علیہ، كتاب الحدود، ج:۵ ، ص:٤٤ ، مكتبه: رشيديه۔

ہے اس لئے اس کے کرنے والے پر حد زنا واجب نہیں ہوتا بلکہ اسکے مرتکب کے لئے تعزیر ہے، لواطت کی سزا کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو اختلاف ہے وہ صرف کیفیت میں ہے کہ اسے کونسے طریقے سے سزا دی جائے یعنی اسے اونچی جگہ سے اوندھا کرکے گرا کر اس پر پتھر برسائے جائے، یا اسے آگ میں جلایا جائے، یا اس پر دیوار گرایا جائے؟ اب اگر لواطت کا زنا کی طرح مخصوص حد ہوتا تو اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیوں اختلاف کرتے ؟

لواطت کی سزا کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :" مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ "۔[1]

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لواطت کرنےوالے شخص کو قتل جائے گا، اب ان لوگوں سے سوال یہ ہے کہ زنا کی حد رجم اور سو ۱۰۰ کوڑے مارنا ہیں یا قتل کرنا ؟

خلاصہ یہ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لواطت کرنےوالے کے لئے حد زنا کے قائل نہیں بلکہ وہ اس بات کی قائل ہیں کہ اسے حد زنا سے بھی سخت سزا دی جائے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لواطت کرنے والے شخص کو سخت سے سخت سزائیں دینا منقول ہے، الغرض امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لواطت کی جواز کا قول منسوب کرنا غلط اور صریح جھوٹ ہے...۔

[1]: "سنن أبي داود، أَوَّلُ كِتَابِ الْحُدُودِ، بَابٌ: فِيمَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ، الجزء رقم :٤، رقم الحديث:٤٤٦٢۔

کیا فقہ حنفی میں ذمی کے لیے رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا جائز ہے ؟

اعتراض نمبر٦ : بعض لوگ فقہ حنفی پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں ذمی کیلئے رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا جائز ہے جیسا کے مولوی امین اللہ لکھتے ہیں: (د حدیث خلاف فقه حنفی) رقم (٦٦) ومن امتنع من الجزية أو قتل مسلما أو سب النبي صلى الله عليه وسلم أو زنا بمسلمة لم ينتقض عهده لأن الغاية التي ينتهي بها القتال التزام الجزية)

(ترجمه) کوم معاهد کافر چې جزیه نه ورکوله او یا یې مسلمان قتل کړو او یا یې نبي علیه السلام ته کنځل اوکړی او یا ئې د مسلمانې زنانه سره زنا اوکړه نو عهد به يې نشي ماتولی (يعنې بيا به هم په امن وي)

(حنفي مذهب او د رسول الله صلى الله عليه وسلم توهين ته لار کولاوول) مقصد دا دی چې کوم کافر چې نبي علیه السلام ته کنځل اوکړی نو قتل خو لا پریږده چې د ملک نه به هم نه شړلی کیږی د مسلمانانو عقیده دا ده چې وژلی کیږی به او دوی وائې چې نه به وژلی کیږی او نه به د ملک نه شړلی کیږی بلکه څوک به ورته بره هم نه ګوری ، آیا دا یهودیت دے که اسلام ؟"[1]
(

[1]: "فقه حنفی بمقابله حدیث نبوی ,ص: ٢٣٩۔

جواب: "ہدایہ" کی مذکورہ عبارت سے یہ بات ہرگز معلوم نہیں ہورہی ہے کہ ذمی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ آپ ﷺ کو گالی دے بلکہ اس سے متعلق یہ حکم بیان کی جا رہی ہے کہ آپ ﷺ کو گالی دینے سے اس کا معاہدہ ختم ہوگا یا ختم نہیں ہوگا ؟

رہی یہ بات کہ اسے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ تو احناف کا **مفتی بہ قول** یہ ہے کہ اسے قتل کیاجائے گا اس حکم میں مرد اورعورت دونوں برابر ہیں یعنی خواہ سب النبی ﷺ کسی ذمی مرد کی طرف سےہو یا عورت کی طرف سے دونوں کی سزا ایک ہے اور وہ ہے قتل۔علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "**(قوله وسب النبی ﷺ) ای اذا لم یعلن فلو اعلن بشتمه او اعتاده قتل ولو امراة وبه یفتی الیوم**"۔[1]

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے "اعلاء السنن" میں باب قائم کیا ہے :

"باب یقتل الذمی رجلا کان أو إمرأة إذا اعلن بسب الله والرسول وکذا إذا طعن فی دین الإسلام بنحوه"

اس کے تحت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرنے کے بعداس کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں : "**قال ابن کمال باشا فی أحادیث الاربعینیة : والحق أنه یقتل عندنا إذا اعلن بشتمه علیه الصلاة والسلام**....۔

آگے تحریر فرماتے ہیں :"**وبالجملة فلا خلاف بین العلماء فی قتل الذمی أو الذمیة إذا اعلن بشتم الرسول ،أو طعن فی دین الإسلام طعنا ظاهرا أو نسب**

---

[1]: "رد المحتار علی در المختار العلامة إبن عابدین الشامی رحمه الله ،ج: ۳ ص: ۳۰٤ ,مکتبه :رشیدیه۔

إلى الله تعالى مالا يعتقده ،ولا يتدين به وإنما الخلاف في انتقاض العهد به "۔[۱]

یعنی ذمی شخص اگر اعلانیہ طور پہ آپ ﷺ کو گالی دے،تو اس کو قتل کرانے پر تمام علماء کرام متفق ہیں، البتہ "انتقاض عهد" کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن اس میں احناف کا مفتی به قول "انتقاض عهد" اور اسے قتل کرنے کا ہے جیسا کہ احناف کے مایہ ناز محقق علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : " وَالَّذِي عِنْدِي أَنَّ سَبَّهُ ﷺ أَوْ نِسْبَةَ مَا لَا يَنْبَغِي إِلَى اللَّهِ تَعَالَى إِنْ كَانَ مِمَّا لَا يَعْتَقِدُونَهُ كَنِسْبَةِ الْوَلَدِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَتَقَدَّسَ عَنْ ذَلِكَ إِذَا أَظْهَرَهُ يُقْتَلُ بِهِ وَيُنْتَقَضُ عَهْدُهُ"۔[۲]

فتح القدير کی مذکورہ بالا عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ذمی رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے کا اظہار کرے تو اسے قتل کیا جائے گا اور اس کا معاہدہ بھی ختم ہوگا، خلاصہ یہ کہ اگر ذمی شخص آپ ﷺ کو گالی دے تو اسے قتل کیاجائے گا البتہ "انتقاض عهد" میں اختلاف ہے اسی وجہ سے بعض لوگوں کو شبہ آیا ہے کہ جب ذمی آپ ﷺ کو گالی دے تو احناف کے نزدیک اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کا معاہدہ باقی رہے گا۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مفتی به قول کے مطابق ان کے نزدیک اسے قتل کیا جائے گا اور اس کا معاہدہ بھی ختم ہوگا۔ بلکہ احناف کے نزدیک عام ذمی اگر چہ شاتم الرسول ﷺ نہ ہو کو بھی حتی الوسع ذلیل کیا جائے گا تاکہ اسلام کی طرف آجائے۔

---

[۱]: "إعلاء السنن ،باب يقتل الذمي رجلا كان أو إمرأة،ج:۱۱ ،ص:۵۲۹۱ ،مكتبه: دار الكتب الشرعية والأدبية۔

[۲]: "فتح القدير لابن همام ،ج: ۵ ،ص: ٦٢ الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصفى البابي الحلبي وأولاده بمصر۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "وفی الهداية لو بعث بها على يد نائبه لا يقبل منه في أصح الروايات، بل يكلف ان يأتي بها بنفسه، فيعطي قايما، والقابض جالس وفي رواية يأخذه بتلبيبه، وهو ما يلي صدره من ثيابه ويقول: "اعط الجزية يا ذمي"۔ قال ابن الهمام: الجزية فى اللغة الجزاء، وانما بنيت على فعله للدلالة على هيئة الإذلال عند الاعطاء"۔[1]

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے ذمی کے حکم سے متعلق فقہ حنفی میں تعارض پایا جاتا ہے ؟

اعتراض نمبر ۷ : مولوی امین اللہ لکھتے ہیں: "وائی: چا چه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ته کنځل او کړل یا ئے د هغه سپکاوے او کړو یا ئے په هغه باندے د دین په کارونو کی عیب او لګولو یا ئے د هغه په شخصیت او ذاتی صفت عیب او وئیلو برابره ده که کنځل کونکے د دہ امتی وی او که نه وی............د دہ حکم یقیننا قتل دے او بادشاه له پکار دی چه د دہ په قتل کښی مداهنت او نکړی ...

آگے لکھتے ہیں: "لیکن بیا دوی پخپله دا خبره ماته کړیده او وئیلی ئے دی چه که یو ذمی الله او رسول ته کنځل او کړی نو عهد ئے ندے مات او که

[1]: "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، باب الجزیۃ، ج: ۷، ص: ۵۴۷، مکتبہ: حبیبیہ کوئٹہ۔

د جزیه نه یوه روپي منع کړی نو عهد ئي مات دی نو دی تعارض ته او کوره"۔[1]

جواب : سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ عہد ذمی اور قتل ذمی دو جداگانہ چیزیں ہیں، قتل ذمی نقض عہد کے لئے مستلزم نہیں..اور نہ ہی عکس۔حنابلہ کےایک قول کے مطابق اگر ذمی امام کو جزیہ دینے سے انکار کرےتو اس کا معاہدہ ختم ہوگا علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "قال : وفيه رواية أخرى لا ينتقض عهده إلا بالامتناع من بذل الجزية وجرى أحكامنا عليهم "۔[2]

شوافع کے نزدیک اگر ذمی ڈاکہ ڈالے،یا مسلمان کو قتل کرے یا مسلمان عورت سے زنا کرےتو ان تمام حالتوں میں اس پر حد جاری کیا جائے گا لیکن مذکورہ صورتوں میں اس کا معاہدہ ختم نہیں ہوگا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"ونص في الام أيضا : أن العهد لا ينتقض بقطع الطريق ،ولا بقتل المسلم ،ولا بالزنا بالمسلمة،ولا بالتجسس ،بل يحد فيما فيه الحد،ويعاقب عقوبة مكملة فيما فيه العقوبة"۔[3]

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کوقتل کرےیا مسلمان عورت سے زنا کرےتو اسے قتل کی سزا دی جائے گی لیکن اس کا معاہدہ ختم نہ ہوگا ۔الغرض نقض عہد اور قتل الذمی جدا جدا چیزیں ہیں ابن القدامہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : وكل موضع قلنا لا ينتقض عهده فإنه إن فعل ما فيه حد أقيم عليه حده أو قصاصه،وإن لم يوجب حدا،عزر ويفعل

---

[1]: "تحفة المناظر ،ص:۲۱۷۲۱٦ ،مكتبه : محمديه۔

[2]: "الصارم المسلول على شاتم الرسول صلى الله عليه وسلم ،ص: ۳۵ مكتبة دار الكتاب العربي بيروت۔

[3]: "الصارم المسلول على شاتم الرسول صلى الله عليه وسلم ،ص:٤٩، مكتبة دار الكتاب العربي بيروت۔

به ما ينكف به امثاله عن فعله "۔[1]

آگے تحریر فرماتے ہیں:" خير الإمام فيه بين أربعة أشياء: القتل، والاسترقاق، والفداء، والمن كالاسير الحربي، لانه كافر قدرنا عليه فى دارنا بغير عهد ولا عقد، ولا شبهة ذلك فاشبه اللص الحربي ويختص ذلك به دون ذريته، لأن النقض إنما منه دونهم فاختص به، كما لو أتى ما يوجب حدا "۔[2]

نیز ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : " قَوْلُهُ وَلَا يَنْتَقِضُ عَهْدُهُ بِالْإِبَاءِ عَنْ الْجِزْيَةِ وَالزِّنَا بِمُسْلِمَةٍ وَقَتْلِ مُسْلِمٍ وَسَبِّ النَّبِيِّ ﷺ) لِأَنَّ الْغَايَةَ الَّتِي يَنْتَهِي بِهَا الْقِتَالُ الْتِزَامُ الْجِزْيَةِ لَا أَدَاؤُهَا وَالِالْتِزَامُ بَاقٍ فَيَأْخُذُهَا الْإِمَامُ مِنْهُ جَبْرًا وَالْإِبَاءُ الِامْتِنَاعُ وَأَمَّا الزِّنَا فَيُقِيمُ الْحَدَّ عَلَيْهِ وَفِي الْقَتْلِ يُسْتَوْفَى الْقِصَاصُ مِنْهُ وَأَمَّا السَّبُّ فَكُفْرٌ وَالْمُقَارِنُ لَهُ لَا يَمْنَعُهُ فَالطَّارِئُ لَا يَرْفَعُهُ "۔[3]

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوئی، کہ عدم نقض عہد عدم قتل ذمی کیلئے مسلتزم نہیں اور نہ ہی عکس ۔ اس لئے یہ کہنا کلی جہالت ہے کہ ذمی کے عہد اور قتل سے متعلقہ احکام میں فقہ حنفی میں تناقض ہے ۔

البتہ تناقض کا واضح مثال ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "المحلی" سے ملاحظہ کیجئے :موصوف (المحلی، جلد:۱۱ صفحہ ۵۲۸ مسئلة : ۲۳۰۸ میں) تحریر فرماتے ہیں : "قال أبو محمد....فذكرت له حديث عبد الرزاق عن معمر عن سماك بن الفضل عن عروة بن محمد عن رجل من بلقين قال.........قال أبو

---

[1]: "المغنی لابن قدامة رحمۃ اللہ علیہ، ج: ۷، ص: ۶۰۵، مکتبه: دار الکتب العلمیة۔

[2]: "المغنی لابن قدامة رحمۃ اللہ علیہ، ج: ۷، ص: ۶۰۶۰۵، مکتبه: دار الکتب العلمیة۔

[3]: "بحر الرائق، ج: ۵، ص: ۱۲٤، **الناشر: دار الكتاب الإسلامي۔**

محمد هذا حديث مسند صحيح". وقد رواه علي بن المديني عن عبد الرزاق كما ذكره، وهذا رجل من الصحابة معروف اسمه الذي سماه به أهله "رجل" من بلقين"۔

مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "رجل من بلقین " میں"رجل" ایک معروف صحابی ہے اور یہ کہ اس سے مروی حدیث مسند و صحیح ہے ۔ لیکن موصوف نے تناقض کا اعلی مثال قائم کرتے ہوئے بالکل اسی کتاب میں (ج: ۷ ،ص:٤٤٦ مسئلة : ۹۵۵ میں) مذکورہ راوی کو مجہول اور اس کی روایت کو خبر ساقط کہا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں : "وموهوا بخبر ساقط رويناه من طريق حماد بن سلمة عن بديل بن ميسرة عن عبدالله بن شقيق عن رجل من بلقين....قال أبو محمد هذا عن رجل مجهول لا يدري أصدق في ادعائه الصحبة ام لا؟"۔

اصل بات یہ ہیں کہ آئمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ جب کوئی شخص آپ ﷺ کو گالی دے تو اس سے وہ مرتد ہوجاتاہے اور یہ ابن حزم کا بھی مذہب ہے چونکہ ابن حزم اس مسئلے میں ائمہ اربعہ سے متفق ہے تو اس وجہ سے "رجل من بلقين" کی روایت سے استدلال کر تے ہوئے کہتے ہیں : "وهذا رجل من الصحابة معروف اسمه الذي سماه به أهله "رجل" من بلقين"۔

لیکن جب مذکورہ راوی کی روایت (.....حماد بن سلمة عن بديل بن ميسرة عن عبدالله بن شقيق عن رجل من بلقين، قلت يا رسول الله هل احد أحق بشيء من المغنم من احد؟ قال: لا ،حتى السهم يأخذه احدكم من جنبه فليس احق من اخيه به) سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ استدلال کر رہے ہیں کہ " لا

يكون السلب للقاتل إلا أن يقول الأمير قبل القتال: من قتل قتلا فله سلبه ،فاذا قال ذلك فهو كما قال ،ولا يخمس "۔ تو ابن حزم نے یہاں یہ نہیں کہا کہ "حديث مسند صحيح" اگر چہ یہ وہی "رجل من بلقين" کی روایت ہے چونکہ اس مسئلے میں وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے متفق نہیں ہے اس لئے کہتے ہے: **وَمَوَّهُوا بِخَبَرٍ سَاقِطٍ** " نیز یہاں "رجل من بلقين" کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ "صحابي معروف اسمه " بلکہ کہتے ہے: "هذا عن رجل مجهول لا يدري أصدق في ادعائه الصحبة ام لا؟

محترم قارئین کرام ! آپ نے دیکھ لیا، کہ ایک ہی راوی (رجل من بلقين) صحابی بھی ہے اور نہیں بھی، معروف بھی ہے اور مجہول بھی، اس کا روایت مسند اور صحیح بھی ہے اور ساقط بھی ۔اسے کہتے ہیں تناقض ۔

کیا فقہ حنفی میں گانے بجانے والوں کے مجالس میں شرکت کرنا جائز ہے ؟

__اعتراض نمبر ۸__: بعض لوگ اعتراض فقہ حنفی پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں گانے بجانے والوں کے مجالس میں شرکت کرنا جائز ہے، جیسا کہ مولوی امین اللہ لکھتے ہیں: "(د حديث خلاف فقه حنفي) ومن دعى الى وليمة أو طعام فوجد ثمه لعبا او غناء فلا بأس بأن يقعد ويأكل قال ابو حنيفة رحمه الله ابتليت بهذا

مرة فصبرت"۔

(ترجمه) څوک چې ولیمې (دوادہ روتې) او یا بل طعام ته راوبلې شو او هلته يي لوبې يا ګاني بجاني او موندلی نو هیڅ قسم باک نشته چې هلته کښيني او روتې او خوري ابوحنيفه (رحمه الله) فرمايي په ما باندې يو کرت ازمايش اوکړی شو نو ما صبر اوکړو (د مقلدينو په نزد د ډمانو مجلس ته تلل جايز دی۔

مقصد دادی چې کومه وليمه او دعوت چې په هغې کښې ګاني بجاني غږېږي نو د هغې قبلول جايز دی"۔[1]

<u>**جواب :**</u> پہلی بات یہ ہیں کہ ہدایہ کی عبارت سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہو رہا کہ گانے بجانے والوں کے مجالس میں شرکت کرنا جائز ہے یہ بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس قول سے واضح طور پہ معلوم ہو رہی ہیں کہ "ابتليت بهذا مرة فصبرت"

چنانچہ اس قول کی تشریح میں شمس الدین محمد بن قودر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "قوله وكذا قول أبي حنيفة ابتليت لأن الابتلاء بالمحرم يكون يعنى ودل أيضا قول أبي حنيفة ابتليت على أن الملاهى كلها حرام لأن الابتلاء لا يكون إلا بالمحرم"۔[2]

آگے تحریر فرماتے ہیں : "والصبر الذى قاله أبو حنيفة جاز أن يكون جالسا معرضا عن ذلك اللهو منكرا له غير مشتغل ولا متلذذ به انتهى، أقول ذلك ساقط لأن اجابة الدعوة وإن كان سنة ابتداء الا انها تصير واجبة بقاء

---

[1]: "فقه حنفی بمقابله حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۱۸۱، ناشر: مكتبة الدعوة السلفية۔

[2]: "نتائج الأفكار مع فتح القدير لابن همام رحمۃ اللہ علیہ، ج: ۸، ص: ٤٥۲، مکتبه رشیدیه۔

حيث يلزمه حق الدعوة بعد الحضور لالتزامه الإجابة بالحضور ،كما هو الشأن في سائر النوافل من الصلاة والصوم ونحوهما فان كلا منها تصير واجبة بالشروع فيها فكان الصبر على الحرام فيما قال ابوحنيفة لإقامة الواجب فيجوز كما فى صلاة الجنازة إذا حضرتها النياحة وقد مر منا مثل هذا الجواب فيما قبل فتذكر ،ثم ان جواز كون أبي حنيفة جالسا معرضا عن ذلك اللهو منكرا له غير مشتغل ولا متلذذ به لا يرفع حرمة ذلك اللهو ولا حرمة الجلوس عليه"۔[1]

دوسری بات یہ ہے کہ اگر مدعو شخص کو قبل الحضور الی الطعام اس بات کا علم ہوجائے کہ مذکورہ دعوت میں گانے بجانے یا دیگر حرام کاریوں کا ارتکاب کیا جا رہا ہے ،تو اس کے لئے اس مجلس میں جانا اور وہاں بیٹھنا اور کھانا کھانا جائز نہ ہوگا ہدایہ میں ہے :"ولو علم قبل الحضور لا يحضر لانه لا يلزمه حق الدعوة"۔[2]

تیسری بات یہ ہیں کہ گانے بجانے اور حرام کاریاں دسترخوان کے قریب کی جارہی ہو تو وہاں بیٹھ کر کھانا کھانا جائز نہیں ہے اگر چہ مذکورہ مدعو شخص غیر مقتداء کیوں نہ ہو چنانچہ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں :"ولو كان ذلك على المائدة لا ينبغي أن يقعد وإن لم يكن مقتدى لقوله تعالى : "فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين"۔[3]

خلاصہ یہ کہ اگر مدعو شخص کو گانے بجانے کے بارے میں پہلے سے علم نہ ہو اور مذکورہ

---

[1]: "نتائج الأفكار مع فتح القدير لابن همام رحمۃ اللہ علیہ ،ج: ۸ ،ص: ، ٤٥٣ ، ط: رشيديه۔

[2]: "الهداية ،كتاب الكراهية ،ج: ٤ ،ص: ٤٥٦ ،مكتبه سيد احمد شهيد۔

[3]: "الهداية ،كتاب الكراهية ،ج: ٤ ،ص: ٤٥٦ ،مكتبه سيد احمد شهيد۔

گانے بجانے دسترخوان سے دور بجائے جارہے ہو تو ایسا شخص جو مقتدا نہ ہو اس کے لئے رخصت ہے، کہ وہاں بیٹھ کر کھانا کھائے کیونکہ دعوت ٹکرانا بھی گناہ ہے حدیث مبارکہ میں ہے :**من لم یجب الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسولہ**"۔[1]

" جس نے دعوت ٹکرایا اس نے اللہ اور اس کی رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی "۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**إذا دعی احدکم إلی ولیمۃ عرس فلیجب**"۔[2]

" جب تم میں سے کسی کو شادی کے ولیمہ کی دعوت دی جائے تو چاہیے کہ قبول کرے "۔

اسی طرح سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: "**قال رسول اللہ ﷺ إذا دعی احدکم إلی طعام فلیجب**"۔[3]

" رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو قبول کرلے"۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت میں ہے : "**قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا دعی**

---

[1]: أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب النكاح، باب الأمر باجابة الداعى إلى دعوة ،رقم الجزء : ٤ ،رقم الحديث : ١٤٢٩۔

وأحمد في مسنده، مسند عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما ،رقم الجزء : ١٣ ،رقم الحديث: ٧٦٢٤۔

[2]: أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب النكاح، باب الأمر باجابة الداعى إلى دعوة ،رقم الجزء : ٤ ،رقم الحديث: ١٤٣٠۔

[3]: أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب النكاح، باب الأمر باجابة الداعى إلى دعوة ،رقم الجزء : ٤ ،رقم الحديث: ١٤٢٩۔

احدکم فلیجب فإن کان صائما فلیصل وإن کان مفطرا فلیطعم "۔[1]

" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو چاہیے کہ قبول کرلے پس اگر روزہ دار ہو تو دعا کریں اور اگر افطار کرنے والا ہو تو کھالے"۔

خلاصہ یہ کہ گانے بجانے والوں کے مجالس میں شرکت کرنا ناجائز اور حرام ہے اور یہ بات غلط ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گانے بجانے والوں کے مجالس میں شرکت کرنا جائز ہے۔

کیا فقہ حنفی میں گانے بجانے پر اجرت دینا جائز ہے ؟

اعتراض نمبر ٩ : مولوی امین اللہ صاحب لکھتے ہیں : "(١١٥) فقه کښې راځي لکه (قاضیخان ٤ /٣٨٠) چه څوک سرودونه وهي او ته ورله پیسے ورکوے خیر دی جائز ده۔[2]

جواب : اس بات سے ہر کوئی بخوبی واقف ہے کہ شریعت مطہرہ میں گانے گانا اور سننا کبائر میں سے ہیں،آئمہ اربعہ میں گانے بجانے کی حرمت سے متعلق سب سے قوی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:((وأما أبو

[1]: أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، رقم الجزء : ٤ ،رقم الحديث: ١٤٣١۔

[2]: "د تقليد حقيقت، ص: ١٣٩، مكتبه: منهاج السنة۔

حنيفة: فإنه يكره الغناء، ويجعله من الذنوب، وكذلك مذهب أهل الكوفة: سفيان، وحماد، وإبراهيم، والشعبي، وغيرهم لا اختلاف بينهم في ذلك، ولا نعلم خلافاً أيضاً بين أهل البصرة في المنع منه)).

((قلت [القائل ابن القيم]: مذهب أبي حنيفة في ذلك من أشدِّ المذاهب، وقوله فيه أغلظ الأقوال، وقد صرَّح أصحابه بتحريم سماع الملاهي كلها؛ كالمزمار، والدفِّ، حتى الضَّرْب بالقَضِيب، وصرَّحوا بأنه معصية، يوجب الفسق، وتُرَدُّ به الشهادة، وأبلغ من ذلك أنهم قالوا: إن السماع فِسْقٌ، والتَّلَذُّذ به كفرٌ، هذا لفظهم ورووا في ذلك حديثاً لا يصحُّ رفعُه. قالوا: ويجب عليه أن يجتهد في أن لا يسمعه إذا مرَّ به، أو كان في جواره.

وقال أبو يوسف في دار يُسمَع منها صوتُ المعازف والملاهي: ادخل عليهم بغير إذنهم؛ لأن النهي عن المنكر فرضٌ، فلو لم يجز الدخول بغير إذن لامتنع الناس من إقامة الفرض. قالوا: ويتقدَّم إليه الإمام إذا سمع ذلك من داره، فإن أصرَّ حبسه، أو ضربه سياطاً، وإن شاء أزعجه عن داره)۔ [1]

اس سے واضح ہوا کہ گانے بجانے کی حرمت سے متعلق سب سے قوی مذہب احناف کا ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ موصوف (مولوی امین اللہ) کا زعم یہ ہے کہ فقہ حنفی میں گانے بجانا اور اس پر اجرت لینا درست ہے جس کے لئے اس نے فتاوی قاضیخان کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ فتاوی قاضیخان میں یہ بات قول شاذ کی صورت میں بھی نہیں پائی جاتی، بلکہ فتاوی قاضیخان میں گانے بجانے اور اس پر اجرت دینے کی حرمت بیان ہوئی ہے، چنانچہ اس بارے میں فتاوی

[1]: "إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان، ج: ۱، ص: ۲۲۷، مكتبة دار الكتاب العربي بيروت۔

قاضیخان کے عبارات ملاحظہ ہو : "رجل استأجر فحلا لینزیه لا یجوز ذلك ولا اجر فیه وكذا النائحة والمغنية"۔[1]

نیز جلد۳ صفحہ نمبر ۱۱۷ پر ہے : "وذكر في الأصل لا تقبل شهادة صاحب الغناء الذي يحادي عليه ويجمعهم لانه معلن بالمعصية"۔[2]

اسی طرح جلد ۳ صفحہ نمبر ۳۷۹ پر ہے : "وإن استوجر لضرب الطبل فإن كان للهو لا يجوز لانه اعانة على المعصية"۔[3]

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہوا کہ فتاوی قاضیخان میں گانے بجانے اور اس پر اجرت دینے کی حرمت بیان ہوئی ہے نہ کہ جواز،بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ فتاوی قاضیخان پر جھوٹ باندھ کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں،خود ان کا نظریہ یہ ہے کہ گانے بجانے حرام نہیں بلکہ جائز ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی"صحیح" میں "باب سنة العيدين لأهل الاسلام" کے تحت ایک حدیث نقل کی ہے :"....عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ، قَالَتْ : وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَمَزَامِيرُ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ وَذَلِكَ فِي يَوْمِ عِيدٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "يَا أَبَا بَكْرٍ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهَذَا عِيدُنَا"۔[4]

---

[1] : "فتاوی قاضی خان، كتاب الاجارات، ج:۳، ص:۱۸، مكتبه: اشرفيه۔

[2] : "فتاوی قاضی خان، كتاب الشهادات، ج:۳، ص:۱۱۷، مكتبه: اشرفيه۔

[3] : "فتاوی قاضی خان، كتاب الحظر والاباحة، ج:۳، ص:۳۷۹ مكتبه: اشرفيه۔

[4] : أخرجه البخاري في صحيحه، كِتَابُ الْعِيدَيْنِ، بَابُ سُنَّةِ الْعِيدَيْنِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، رقم

مذکورہ بالا روایت سے ابن حزم نے گانے بجانے کی جواز پر استدلال کیا ہے، چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : " اسْتدلَّ بِهِ ابْن حزم وَقَالَ الْغناء واللعب والزفن فِي أَيَّام الْعِيدَيْنِ حسن فِي الْمَسْجِد وَغَيره "۔[1]

اگر چہ صحیح بخاری کی مذکورہ روایت میں گانے بجانے کی جواز پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی لیکن پھر بھی ابن حزم اتنی شدت سے گانے بجانے کی جواز کے قائل ہیں کہ وہ صحیح بخاری مذکورہ روایت سے اس کے جواز پر استدلال کررہاہے، ایک طرف ابن حزم نے صحیح بخاری کی روایت سے غناء کی جواز پر استدلال کیاہے تو دوسری طرف صحیح بخاری کی دوسری روایت جس میں گانے بجانے کی حرمت پر دلالت موجود ہے کو رد کرنے سے بھی نہیں کترایا ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں میں ایک روایت نقل کی ہیں :"وَقَالَ هِشَامُ بْنُ عَمَّار.......حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ غَنْمٍ الْأَشْعَرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو عَامِرٍ أَوْ أَبُو مَالِكٍ الْأَشْعَرِيُّ، وَاللَّهِ مَا كَذَبَنِي، سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ"۔[2]

مذکورہ بالا روایت کو ابن حزم نےاپنی باطل مذہب کی خاطر رد کیا،ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریرفرماتےہیں:"ولا التفات إلى أبي محمد بن حزم الظاهری الحافظ فی رد ما أخرجه البخاري من حديث أبي عامر وأبی مالك الاشعری عن رسول الله

الجزء: ۲ ،رقم الحدیث: ۹۵۲۔

[1]: عمدة القارئ شرح صحيح البخاري ،ج: ٦ ،ص: ٢٧٢ ، **الناشر: دار إحياء التراث العربي بيروت۔**

[2]: أخرجه البخاري فی صحيحه كِتَابٌ: الْأَشْرِبَةُ ،بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَسْتَحِلُّ الْخَمْرَ وَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ،رقم الجزء: ۷ ،ص: ۵۵۹۰۔

ﷺلیکونن من اقوام یستحلون الحر والحریر......."۔[1]

نیز ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: "هذا حديث صحيح أخرجه البخاري في صحيحه محتجا به"۔

آگے تحریر فرماتے ہیں :"ولم يصنع من قدح فی صحة هذا الحديث شيئاً كابن حزم نصرة لمذهبه الباطل فی إباحة الملاهی وزعم أنه منقطع لان البخاري لم يصل سنده به"۔[2]

تعجب کی بات یہ ہیں کہ موصوف (مولوی امین اللہ) تعصب کی دریا میں غرق ہوکر فتاوی قاضیخان پر جھوٹ باندھنے کی ناکام کوششوں میں مگن ہیں، جبکہ ابن حزم جس نے گانے بجانے کی جواز کے لئے صحیح بخاری کی روایت ہی سے اپنی باطل مذہب کی داغ بیل ڈالی، کے بارے میں موصوف خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ موصوف فتاوی قاضیخان پر جھوٹ باندھنے کے بجائے صحیح بخاری کی روایت کی دفاع کی خاطر میدان میں کھودتے ،اور ابن حزم کی مذکورہ مذہب کو باطل قرار دیتے، لیکن شاید موصوف حق بات کہنے سے لرزتا ہے، یا اس کا پیمانہ انصاف ہی الگ ہے ۔

---

[1] : "فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الأشربة، ج:١٠، ص: ٤٣، مكتبه: إحياء التراث بيروت۔

[2] : "إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان، ج:١، ص:، ٢٥٩ دار الكتاب العربي بيروت۔

کیا گانے بجانے کے حکم کے بارے میں فتاوی قاضی خان کی عبارتوں میں تناقض ہے ؟

اعتراض نمبر ۱۰ : مولوی امین اللہ لکھتے ہیں: "ومن العجب : انهم قالوا: إستماع الملاهي معصية والتلذذ بها كفر ثم قالوا : الرجل إذا كان مطربا مغنيا اعطى بغير شرط قالوا يباح له ذلك وان كان يأخذه على شرط رد المال على صاحبه كما في قاضي خان (٣٦٤/٢) كتاب الحظر۔

وايي : تنګ تنکور اوريدل ګناه ده او ددی نه خوند اخستل کفر دے او بيا وائي : کله چې يو سړی ډم او سندرغاړی وی نو هغه ته بغير د شرط نه پيسے ورکول جائز دی او هغه له ئې اغستل جائز دی او که شرط په کښې لګوی نو بيا به مالک ته بيرته مال واپس کوی، نو دی تناقض ته هم فکر کوه"۔[1]

جواب : فتاوی قاضی خان کے مذکورہ عبارتوں میں کسی قسم کا تناقض نہیں ہے کیونکہ ایک عبارت میں عام گانے بجانے کا حکم بیان کی جا رہی ہے کہ معصیت اور حرام ہے جبکہ دوسرے مقام پر میدان جہاد میں مجاہدین میں جوش و جذبہ جہاد پیدا کرنے کے لیے طبل اور جہادی ترانوں کا حکم بیان کی جا رہی ہے۔

اگر موصوف نے فتاوی قاضیخان کا عبارت پورا نقل کیا ہوتا تو شاید اس کے ذہن میں تناقض کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی.. قارئین کرام پورا عبارت ملاحظہ کیجئے : "وإن استوجر لضرب الطبل فإن كان للهو لا يجوز لانه اعانة على

[1] : "تحفة المناظر يا تناقضات المقلدين، ص: ٢٣٩، ٢٤٠۔

المعصية وان كان للغزو والقافلة جاز لانه طاعة ،وما اخذ المطرب والمغنى ان اخذ من غير شرط يباح له وان اخذ على شرط رده على صاحبه ان قدرو ،وإن لم يقدرو على الرد على صاحبه تصدق به"۔[1]

اب پہلی بات یہ ہے کہ پہلی عبارت (إستماع الملاهى معصية والتلذذ بها كفر)عام گانے بجانے سے متعلق ہے جو کہ بالاجماع حرام ہے،جبکہ دوسری عبارت میں جہاد کے موقع پر طبل اور جہادی اشعار و ترانوں کی تذکرہ کی جارہی ہے جو مجاہدین میں جذبہ جہاد بیدار کرنے کے لیے بولے جاتے ہیں جو کہ جائز ہیں اور یہ کہ دونوں میں واضح فرق موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کلام عرب میں غناء کی الفاظ سے ہر جگہ گانے بجانے مراد نہیں ہوتے بلکہ یہ لفظ خوش آوازی کے معنی میں بھی مستعمل ہے چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے : " قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: " لَمْ يَأْذَنِ اللَّهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ "۔[2]

---

[1]: "فتاوى قاضيخان ،ج: ٤ ،ص: ٣٧٩ ، مكتبه اشرفيه كوئٹه۔

[2]: أخرجه البخاري في صحيحه ،كِتَابٌ : فَضَائِلُ الْقُرْآنِ ،بَابٌ : مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ ،رقم الجزء : ٦ ،رقم الحديث: ٥٠٢٣۔

ومسلم في صحيحه ،كِتَابٌ : الْمَسَاجِدُ وَمَوَاضِعُ الصَّلَاةِ ،بَابٌ : اسْتِحْبَابُ تَحْسِينِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ ،رقم الجزء:٢ ،رقم الحديث:٧٩٢۔

وأبو داود في سننه ،كِتَابُ الصَّلَاةِ ،بَابٌ : اسْتِحْبَابُ التَّرْتِيلِ فِي الْقِرَاءَةِ ،رقم الجزء :٢ ،رقم الحديث : ١٤٧٣۔

والنسائي في سننه ،كِتَابُ الِافْتِتَاحِ باب: تَزْيِينُ الْقُرْآنِ بِالصَّوْتِ ،رقم الجزء :٢ ،رقم الحديث : ١٠١٧۔

والدارمي فى سننه ،كِتَابُ الصَّلَاةِ ،بَابٌ : التَّغَنِّي بِالْقُرْآنِ ،رقم الجزء : ٢ ،رقم الحديث : ١٥٣٢

"آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے کوئی چیز اتنی توجہ سے نہیں سنی جتنی توجہ سے اس نے نبی کریم ﷺ کا قرآن بہترین آواز کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے"۔

تیسیر المنطق اور ایساغوجی کا طالب علم بھی یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ فتاوی قاضیخان کے مذکورہ عبارتوں میں کسی قسم کا تناقض نہیں ہے، البتہ ہم تناقض کا ایک واضح نمونہ موصوف کی ایک کتاب سے پیش کرتے ہیں تاکہ اسے حقیقی تناقص کا تعریف معلوم ہو جائے چنانچہ موصوف کا کتاب ہے جس کا نام ہے "د تقلید حقیقت او مقلدینو اقسام" . اسی کتاب میں صفحہ نمبر ۲٦ پر لکھتے ہیں:

"(٤)" څلورم دلیل: دا قول د الله تعالی دے: ﴿اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله﴾ (توبه آیت: ۳۱) (او نیول یهودو او نصارا و ملیانو او پیرانو خپلو لره حاکمان او شارعان سیوا د الله نه)۔

دا آیت کریمه اګر که دیهودو او نصارا و په رد کی نازل شوے دے لیکن دا اتفاقی قانون دے چه: (العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب) یعنی اعتبار عموم د لفظ لره وی خصوص د سبب یعنی شان نزول لره اعتبار نه وی که داسی شی نو بیا خو په قرآن کریم کښی یو آیت هم څونږ د پاره نشته۔

آگے بالکل اسی کتاب کی صفحہ نمبر "۱۷۵" پر لکھتے ہیں: "(۱) اوله شبهه: قرآن کریم کښی الله تعالی فرمائی: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ (که خپله نه پوهیږئ نو د علماؤ نه تپوس او کړئ)

نو دا آیت دلیل شو په وجوب د تقلید باند او دا خبره ډیرو مفسرینو

وأحمد في مسنده، مُسْنَدُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، رقم الجزء: ۱۳ رقم الحديث: ۷٦۷۰۔

لیکلے دہ ! جواب : اول دا خبرہ یادلرل پکار دي چه دا آیت کریمه دیهودو په باره کښې نازل شوے دے "۔

واضح ہواکہ تناقضات کی زندہ مثالیں موصوف کےاپنے کتب میں پائے جاتے ہیں جبکہ موصوف اس سےبے خبر ہوکراس خوش فہمی میں مبتلاہے کہ فتاوی قاضیخان کےعبارتوں میں تناقض ہے۔

کیا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا آپﷺ کا ھدی اور سنت ہے ؟

اعتراض نمبر ۱۱: فقہ میں ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا صحیح نہیں ہے، جبکہ حدیث سے ثابت ہےکہ آپﷺنے نجاشی کا غائبانہ نمازجنازہ پڑھایا تھا،صحیح بخاری کی روایت میں ہے: "أَنَّ رَسُولَ اللَّهِﷺ نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ: خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى، فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ أَرْبَعًا"۔[1]

مولوی آمین اللہ لکھتے ہیں: "(غائبانه نماز جنازه شته دی رسول الله ﷺ کریده)(حدیث نبوي ﷺ)(۲۱): "أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ: خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى، فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ أَرْبَعًا۔

(ترجمه) دا بوهریرة رضي الله عنه نه نقل دی چې نجاشی په کومه ورځ

[1] : "صحیح البخاري، كِتَابُ: الْجَنَائِزُ، بَابُ الرَّجُلِ يَنْعَى إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ بِنَفْسِهِ، رقم الجزء: ۲، رقم الحدیث: ۱۲٤٥۔

مړ شو نو رسول الله ﷺ د هغې [هغه] د مرګ خبر ورکړو (صحابو ته)، صحابه ئې عيدګاه ته اوويستل نو صفونه ئې برابر جوړ کړل او څلور تکبيرات ئې پرې اوويل۔

مقصد دا دے چې غائبانه جنازه شته دے رسول الله صلی الله عليه وسلم کړيده لکه رسول الله ﷺ د معاويه بن معاويه غائبانه جنازه کړيده ابن حجر رحمه الله وائي دا حديث قوی دی په مجموع طرقو سره، په ام کلثوم رضی الله عنها هم غائبانه جنازه شويده ځکه دا په مکه کې وفات شويده، او جنازه ئې پرې مدينه کښې اوکړه، دغه شان د احد په شهيدانو هم غائبانه جنازه شويده۔

(د حديث خلاف فقه حنفي)

فلا تصح علی غائب)(ترجمه): په غائب باندې جنازه کول صحيح نه ده آيا نبی عليه السلام باطل عمل کړيدی (نعوذ بالله) کما تزعمون ؟......"۔[1]

جواب: غائبانہ نماز جنازہ آپ ﷺ کا ھدی اور سنت نہیں ہے، غائبانہ نماز جنازہ سے متعلق اکثر علماء کرام کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کا پڑھنا آپ ﷺ کے خصوصیات میں سے تھا جیسا کہ آپ ﷺ نے نجاشی کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھایا.. علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "وأكثر أهل العلم يقولون إن ذلك خصوص للنبي ﷺ..........ودلائل الخصوص في هذه المسألة واضحة لا يجوز أن يستدل فيها مع النبي ﷺ غيره لأنه والله أعلم أحضر روح النجاشي

[1]: "فقه حنفی بمقابله حديث نبوی ﷺ، ص: ۱۲۸۱۲۷۔

بين يديه فصلى عليه أو رفعت له جنازته كما كشف له عن بيت المقدس حين سألته قريش عن صفته........ وهذا كله وما كان مثله يدل على انه خصوص له لأنه لا يشركه في ذلك غيره"۔[۱]

مذکورہ عبارت سے واضح ہوا کہ نجاشی پر آپ ﷺ کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھانا اس کے خصوصیات میں سے تھا امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تخصیص کے لئے تین وجوہات ذکر کئے ہیں ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے معجزے کے طور پر نجاشی کے جنازہ کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سامنے رکھوادیا تھا، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں: "وقال علماؤنا رحمة الله عليهم: النبي ﷺ بذلك مخصوص لثلاثة أوجه: أحدها أن الارض دحيت له جنوبا وشمالا حتى رأى نعش النجاشي، كما دحيت له شمالا وجنوبا حتى رأى المسجد الاقصى.........قلت: والتأويل الاول أحسن، لانه إذا رآه فما صلى على غائب وإنما صلى على مرئي حاضر، والغائب ما لا يرى"۔[۲]

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۹۹ کی تفسیر میں زمخشری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"وذلك أنه لما مات نعاه جبريل إلى رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ: اخرجوا فصلوا على أخ لكم مات بغير أرضكم، فخرج إلى البقيع ونظر إلى أرض الحبشة فأبصر سرير النجاشي وصلى عليه واستغفر له"۔[۳]

صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کر دیا

---

[۱]: "الاستذكار لابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ، كتاب الجنائز، باب التكبير على الجنائز، ج:۲، ص: ۵۵۲، مکتبہ: دار احياء التراث العربي۔

[۲]: "تفسير أحكام القرآن للإمام القرطبي، سورة آل عمران، الآية:۱۹۹۔

[۳]: "تفسير كشاف للإمام الزمخشري، سورة آل عمران، الآية:۱۹۹۔

گیا تھا، جیساکہ تفسیر نیشاپوری، تفسیر مظہری وغیرہ کے مفسرین نے سورۃ آل عمران کے آیت نمبر ۱۹۹ کی تفسیر میں ذکرکیاہے:"**وکشف له من أرض الحبشة فابصر سرير النجاشي**"۔

نیز یہ کہ جس روز نجاشی کا انتقال ہوا، اس روز آپ ﷺ نے صحابہ کو خبر دی کہ تمہارے بھائی نجاشی کا انتقال ہوگیا اور صحابہ کے ہمراہ آپ اس جگہ تشریف لے گئے، جہاں جنازہ کی نماز پڑھی جاتی تھی، آپ ﷺ کھڑے ہوگئے اور صحابہ نے آپ کے پیچھے صف بندی فرمائی اور چار تکبیریں کہہ کر جنازہ کی نماز پڑھائی، **صحیح بخاری** کی روایت میں ہے :"**أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ: خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى، فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ أَرْبَعًا**"۔[1]

"**فی الیوم مات فیه**"کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا کیونکہ مدینہ اورحبشہ کےدرمیان کافی مسافت ہونےکے باوجود آپ ﷺ کو نجاشی کی موت کی خبر ہوئی حافظ بن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"**وفی قصة النجاشي علم من أعلام النبوة ، لانه ﷺ اعلمهم بموته في اليوم مات فيه ، مع بعد ما بين أرض الحبشة والمدينة**"۔[2]

نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جنازہ آپ ﷺ کے سامنے ہے۔ جیسا کہ **صحیح ابن حبان** کی روایت میں ہے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"**أنبأنا رسول الله ﷺ ان أخاكم النجاشي توفى فقوموا فصلوا**

---

[1]: "صحيح البخاري ، كِتَابٌ : الْجَنَائِزُ ، بَابُ الرَّجُلِ يَنْعَى إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ بِنَفْسِهِ ، رقم الجزء : ۲ ، رقم الحديث : ۱۲۴۵ ۔

[2]: "فتح الباري شرح صحيح البخاري للحافظ ابن حجر العسقلاني، ج: ۳ ، ص: ۲۴۲ ۔

علیه ، فقام رسول الله ﷺ وصفوا خلفه و کبر اربعا وهم لا يظنون الا جنازته بين يديه"۔[1]

البانی نے مذکورہ روایت کو (تعليقات الحسان ، ج:٥ ، ص: ٨٧ ، رقم الحديث : ٣٠٩٢ ، میں) صحیح کہا ہے، جبکہ إرواء العليل ج: ٣ ، ص: ١٧٤ مذکورہ روایت کو صحیح اور متصل کہا ہے۔

بعض دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کے معجزے کے طور پر نجاشی کے جنازہ کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سامنے رکھوادیا تھا یا بیچ کے تمام حجابات ہٹا دئے تھے جیسا کہ معراج سے واپسی پر (جب مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے بیت المقدس کے ستونوں وغیرہ کے بارے میں سوال کیا تھا تو) بیت المقدس تک تمام حجابات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ہٹادیئے گئے تھے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "وكذلك ذكر طائفة من المفسرين عن جابر وابن عباس وانس وقتادہ انهم قالوا : نزلت هذه الآية في النجاشي ملك الحبشة، واسمه اصحمة ، وهو بالعربية :عطية وذلك أنه لما مات نعاه جبريل للنبى ﷺ في اليوم الذي مات فيه ، فقال رسول الله ﷺ لأصحابه : أخرجوا فصلوا على اخ لكم مات بغير أرضكم ، فقالوا : ومن هو؟ قال: النجاشي فخرج رسول الله ﷺ الى البقيع ، وذاد بعضهم : وكشف له من أرض المدينة إلى أرض الحبشة فابصر سرير النجاشي وصلى عليه "۔[2]

---

[1]: "الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، ج:١، ص: ٨٧٢، رقم الحدیث: ٣١٠٢، مکتبہ: دار المعرفة بیروت لبنان۔

[2]: "دقائق التفسير الجامع لتفسير الامام إبن تيمية، سورة آل عمران، الآية: ١٩٩۔

اسی طرح ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : " وإنما نعى صلی اللہ علیہ وسلم النجاشي للناس، وخصه بالصلاة عليه، وهو غائب، لأنه كان عند الناس على غير الإسلام، فأراد أن يعلم الناس كلهم بإسلامه، فيدعو له في جملة المسلمين ليناله بركة دعوتهم، ويرفع عنه اللعن المتوجه إلى قومه. والدليل على ذلك أنه لم يصل (صلی اللہ علیہ وسلم) على أحد من المسلمين ومتقدمي المهاجرين والأنصار الذين ماتوا في أقطار البلدان، وعلى هذا جرى عمل المسلمين بعد النبي (صلی اللہ علیہ وسلم)، ولم يصل على أحدٍ مات غائبًا، لأن الصلاة على الجنائز من فروض الكفاية يقوم بها من صلى على الميت في البلد التي يموت فيها، ولم يحضر النجاشي مسلمٌ يصلي على جنازته، فذلك خصوص للنجاشي، بدليل إطباق الأمة على ترك العمل بهذا الحديث. وقال بعض العلماء: إن روح النجاشي أحضر بين يدي النبي، (صلی اللہ علیہ وسلم)، فصلى عليه، ورفعت له جنازته كما كشف له عن بيت المقدس حين سألته قريش عن صفته، وعلم يوم موته ونعاه لأصحابه، وخرج فأمهم في الصلاة عليه قبل أن يُوارَى، وهذه أدلة الخصوص، يدل على ذلك أيضًا إطباق الأمة على ترك العمل بهذا الحديث، ولم أجد لأحد من العلماء إجازة الصلاة على الغائب إلا ما ذكره ابن أبي زيد، عن عبد العزيز بن أبي سلمة، فإنه قال: إذا استوقن أنه غرق، أو قتل، أو أكلته السباع، ولم يوجد منه شيء صلى عليه كما فعل (صلی اللہ علیہ وسلم) بالنجاشي"۔[1]

بعض علماء (ابن تیمیہ ، ابن العربی، ابن القیم اور ابن الخطابی رحمۃ اللہ علیہم) کی رائے یہ

---

[1]: "شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمۃ اللہ علیہ، كتاب الجنائز، بَاب الرَّجُلِ يَنْعَى إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ بِنَفْسِهِ، ج: ٣، ص: ٢٤٣—٢٤٤۔

ہے: کہ اگر کوئی مسلمان بلاد الشرک میں فوت ہوجائے اور اس پر جنازہ کرنے والا کوئی نہ ہو،تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھے.حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "وَقَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ إِنَّمَا صَلَّى عَلَيْهِ لِأَنَّهُ كَانَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ مِنْ قَوْمِهِ فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ يَوْمَ مَاتَ مَنْ يُصَلِّي عَلَيْهِ فَلِهَذَا صَلَّى عَلَيْهِ ﷺ قالوا: فالغائب أن كان قد صلي عليه ببلده لاتشرع الصَّلَاةُ عَلَيْهِ بِبَلَدٍ أُخْرَى، وَلِهَذَا لَمْ يُصَلِّ النَّبِيّ ﷺ فِي غَيْرِ الْمَدِينَةِ، لَا أَهْلُ مَكَّةَ وَلَا غَيْرُهُمْ وَهَكَذَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الصَّحَابَةِ لَمْ يُنْقَلْ أَنَّهُ صُلِّيَ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ فِي غَيْرِ الْبَلْدَةِ الَّتِي صُلِّيَ عَلَيْهِ فِيهَا فَاللَّهُ أَعْلَمُ "۔[1]

البانی "کتاب الجنائز" میں لکھتے ہیں : "السابع : من مات في بلد ليس فيها من يصلى عليه صلاة الحاضر فهذا يصلى عليه طائفة من المسلمين صلاة الغائب لصلاة النبي ﷺ على النجاشي ..."۔[2]

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت پر باب قائم کیا ہے :بَابٌ : فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمُسْلِمِ يَمُوتُ فِي بِلَادِ الشِّرْكِ"۔جس سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے قائل ہے کہ اگر کوئی مسلمان بلاد الشرک میں فوت ہوجائے اور اس پر جنازہ کرنے والا کوئی نہ ہو، تو مسلمانوں کو اس کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا چاہیے ورنہ نہیں۔علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "وقال الخطابي: النجاشي رجل مسلم قد آمن برسول الله عليه السلام وصدقه على نبوته، إلا أنه كان يكتم إيمانه، والمسلم إذا مات وجب على المسلمين أن يصلوا عليه، إلا أنه

[1]: "البداية والنهاية للحافظ ابن كثير رحمۃ اللہ علیہ، ج: ٣، ص: ٩٨، ط: دار إحياء التراث العربي۔

[2]: كتاب الجنائز للألباني، ص: ٨٩ ۔

كان بين ظهراني أي أهل الكفر ولم يكن بحضرته من يقوم بحق الصلاة عليه؛ فلزم رسول الله عليه السلام أن يفعل ذلك إذا هو نبيه ووليه وأحق الناس به"۔ (١)

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نجاشی کا غائبانہ نماز جنازہ اس لئے پڑھایا کہ اس پر بلاد الشرک میں کسی نے نماز جنازہ نہیں پڑھایا تھا، جو کہ ہر مسلمان کا حق ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھائی جائے۔۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "و قال شيخ الإسلام : الصواب أن الغائب إن مات ببلدٍ لم يصلَّ عليه فيه .. صلي عليه صلاة الغائب .. كما صلى النبي ﷺ على النجاشي لأنه مات بين الكفار ولم يُصلَّ عليه .. وإن صلي عليه حيث مات لم يصلَّ عليه صلاة الغائب .. لأن الفرض قد سقط بصلاة المسلمين عليه"۔ (٢)

رہی بات بیہقی کی روایت کی کہ اس میں ہے کہ معاویہ بن معاویہ اللیثی پر آپ ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھایا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روایت ضعیف ہے، ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "وقد روى عنه أنه صلى على معاوية بن معاوية الليثى وهو غائب ، ولكن لا يصح، فإن فى إسناده العلاء بن زيد، ويقال : ابن زيدل ، قال على ابن المدينى : كان يضع الحديث، ورواه محبوب بن هلال عن عطاء بن أبي ميمونة عن أنس، قال البخاري : لا يتابع عليه"۔ (٣)

[1]: "عمدة القارئ شرح صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الصفوف على الجنازة، ج: ٨، ص: ١٧٢، مكتبه: رشيديه۔

[2]: "ذاد المعاد في هدى خير العباد لابن القيم الجوزية، فصل: فى هديه ﷺ في الجنائز والصلاة عليها، ج:١، ص: ٢١٣، مكتبه: وحيدى كتب خانه۔

[3]: "ذاد المعاد في هدى خير العباد لابن القيم الجوزية، فصل: فى هديه □ في الجنائز والصلاة

خلاصہ یہ کہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا آپ ﷺ کا ھدی اور سنت نہیں ہے، آپ ﷺ کے زمانے میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف علاقوں میں شہید ہوئے تھے، لیکن آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کا غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھایا اور نہ ہی خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے پڑھایا۔

کیا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مسنون ہے ؟

اعتراض نمبر ١٢: فقہ حنفی میں ہے کہ مسجد میں میت پر نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے حالانکہ سیدتنا ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے دو بیٹوں سہیل اور اس کے بھائی کا نماز جنازہ مسجد میں پڑھایا تھا چنانچہ مولوی امین اللہ لکھتے ہیں : "(په مسجد کښې جنازه کول جائز دہ)

(حدیث نبوی ﷺ)(٢٨)

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، أَنَّ عَائِشَةَ لَمَّا تُوُفِّيَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَتِ : ادْخُلُوا بِهِ الْمَسْجِدَ حَتَّى أُصَلِّيَ عَلَيْهِ، فَأُنْكِرَ ذَلِكَ عَلَيْهَا، فَقَالَتْ : وَاللَّهِ، لَقَدْ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى ابْنَيْ بَيْضَاءَ فِي الْمَسْجِدِ۔

(ترجمه) هر کله چې سعد بن أبي وقاص وفات شو نو عائشې رضی الله عنها اوویل مسجد ته يي داخل کړئ چې زه پرې هم جنازه اوکړم نو دا خبره پرې (د خلقو د طرف نه) بده اولګېده شوه نو اويي فرمايل قسم په الله چې يقيننا رسول الله ﷺ په دوو زامنو د بيضاء باندې په مسجد کښې جنازه کړيوه چې

علیها، ج:١، ص: ٢١٣، مکتبه: وحیدی کتب خانه۔

يو سهيل وو او بل دهغه ورور وو مقصد دادے چې په مسجد کښې جنازه کول جائز ده دويم داچې زنانه هم جنازه کولے شي۔

(د حديث خلاف فقه حنفي)

(ولا يصلى على ميت في مسجد جماعة)

ترجمه: په مسجد کښې جنازه کول په مړی باندې جايز نه ده نبي عليه السلام کړيده صحابو کړيده او دوی واېي چې نه به شي کولی اخر مونږه حيران يو چې دا دوي په کوم دين روان دی چې نه د نبي عليه السلام خبره مني او نه د صحابو او نه د محدثينو . نو معلوميږی داچې دا دين اسلام دوی ته هسی ګپ شپ ښکاري۔[1]

جواب : مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ھدی اور سنت نہیں، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "ولم يكن من هديه الراتب الصلاة عليه في المسجد وإنما كان يصلى على الجنازة خارج المسجد"۔[2]

احناف کے نزدیک نماز جنازہ مصلی (موضع صلاة الجنازة) میں پڑھنی چاہیے، جو کہ آپ ﷺ کا ھدی اور سنت ہے نہ کہ مسجد میں۔ بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے والے کو کوئی اجر وثواب نہیں ملتا،ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:"قال رسول الله ﷺ من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له"۔[3]

---

[1]: "فقه حنفي بمقابله حديث نبوی ﷺ، ١٤٦، ١٤٧ ، مكتبة السنة۔

[2]: "ذاد المعاد في هدى خير العباد لابن قيم الجوزية رحمۃ اللہ علیہ، ج:١ ، ص:٢٠٥۔

[3]: أخرجه أبو داود في سننه، كتاب الجنائز، باب: الصلاة على الجنازة في المسجد، ج:١ ، ص: ٤٥٤۔

" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کیلئے کوئی اجر نہیں "۔

سنن إبن ماجه کی ایک روایت میں "فلیس له شئ" کے الفاظ درج ہیں چنانچہ روایت ملاحظہ ہو : "من صلی علی جنازة فی المسجد فلیس له شئ"۔[1]

البانی نے سنن ابن ماجه کی مذکورہ روایت کوحسن کہا ہے، مسند ابی داود الطیالسی کی روایت میں ہے :"قال رسول اللهﷺمن صلی علی جنازة فی المسجد فلا شيء له"۔

قال صالح: وادرکت رجالا مما ادرکو النبي ﷺمن صلی وأبا بکر إذا جاؤوا فلم یجدوا إلا ان یصلو فی المسجد رجعوا فلم یصلو"۔[2]

مسجد میں نماز جنازہ پڑھے بغیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لوٹنا اس بات کی دلیل ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں نہیں، بلکہ خارج المسجد "موضع صلاة الجنازة " میں پڑھنی چاہیے..اور جس نے مسجد میں پڑھی تو اس بارے میں آپ ﷺ کا فرمان یہی ہے کہ:"فلا صلاة له"۔چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے:"قال رسول اللهﷺ :من صلی علی جنازة فی المسجد فلا صلاة له، قال وکان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم إذا تضایق بهم المکان رجعوا ولم یصلوا"۔[3]

مصنف ابن ابی شیبہ کی دوسری روایت میں ہے:"عن صالح مولی التوأمة

---

[1]: "سنن إبن ماجة، ج:١، ص: ١٠٩، باب ما جاء فی الصلاة علی الجنائز فی المسجد۔

[2]: "مسند أبی داود الطیالسی، ج:١، ص: ٣٠٤، رقم الحدیث: ٢٣١٠، ناشر دار المعرفة بیروت لبنان۔

[3]: "مصنف إبن أبی شیبة، ج: ٣، ص: ٣٦٤، رقم الحدیث: ١٢٠٩٧ مکتبه سلفیة۔

عمن أدرك أبا بكر وعمر انهم كانوا إذا تضايق بهم المصلى انصرفوا ولم يصلوا على الجنازة في المسجد"۔[1]

اشکال : سنن أبي داود کی روایت (من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له) ضعیف ہے کیونکہ اس کے سند میں "صالح مولی التوامہ" ہے اور وہ اخر میں اختلاط کا شکار ہوگئے تھے اور یہ کہ اس سے روایت کرنے والا راوی ابن ابی ذئب کا صالح سے "بعد الاختلاط" بھی سماع ثابت ہے.. نیز امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : هو مما تفرد به صالح".. ۔امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ روایت کو تفردات صالح میں شمار کیا ہے ۔اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے سماع ترک کیا تھا ..۔

جواب : صالح کی مذکورہ روایت ضعیف نہیں بلکہ صحیح روایت ہے البانی نے (صحيح الجامع الصغير وزيادته ، ج: ٢ ، ص: ١٠٨٧ ، رقم الحديث : ٦٣٥٤ | الجامع الصغير وزيادته ، ج:١ ، ص: ١١٣٠ ، رقم الحديث : ١١٣٠٠ ، میں) مذکورہ روایت کو صحیح قرار دیا ہے، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ابن ابی ذئب نے صالح سے مذکورہ روایت کو قبل الاختلاط روایت کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں :"وهذا الحديث حسن، فإنه من رواية ابن أبي ذئب عنه، وسماعه منه قديم قبل اختلاطه . فلا يكون اختلاطه موجبا لرد ما حدث به قبل الاختلاط"۔[2]

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہوتاہے کہ ابن ابی ذئب نے مذکورہ روایت صالح سے اس کی اختلاط سے قبل روایت کیا ہے۔ البانی نے بھی یہ تصریح

---

[1]: "مصنف ابن أبي شيبة ، ج: ٣ ، ص: ٣٦٤ ، مكتبه : السلفية ، رقم الحديث : ١٢٠٩٧۔

[2]: "ذاد المعاد في هدى خير العباد ، ج:١ ، ص: ٢٠٥ ، مكتبه : وحيدى كتب خانه۔

کی ہے کہ ابن ابی ذئب نے صالح مولی التوامہ سے اس کو قبل الاختلاط روایت کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :"....خالد بن الیاس عن مولی التؤامة .....قلت : وهو ضعيف لاختلاطه إلا فی ما رواه القدماء عنه كابن ابی ذئب "۔[1]

علامہ حافظ المزی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں : "ان عباسا العنبری حدثنا عن بشر بن عمر قال : سألت مالكا عن صالح مولى التوأمة فقال ليس بثقة. فقال ابی كان مالك قد أدركه وقد اختلط وهو كبير ، من سمع منه قديما فذاك وقد روى عنه أكابر أهل المدينة وهو صالح الحديث ما أعلم له بأسا"۔ [2]

الغرض امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اختلاط کی زمانے میں پایہ تھا اس لئے اس سے روایت نہیں لئے۔ علامہ جوزجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :"سماع إبن أبي ذئب منه

---

[1]: "ارواء الغليل للألباني، ج:٢، ص:٨٢، رقم الحديث:٣٦٢۔

[2]: "تهذيب الكمال في أسماء الرجال للإمام "المزی" المتوفی٧٤٦ھ، ج:٤، ص:٦٨١، رقم الترجمة: ٢٨٤٩، مكتبه: دار الكتب العربية بيروت لبنان۔

الجرح والتعديل لابن أبي حاتم المتوفی٣٢٨ھ، ج:٤، ص: ٣٨٣، رقم الترجمة: ٦٩٤٩/ ٦٨٣٠، مكتبه: دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

ميزان الاعتدال للعلامة شمس الدين الذهبی المتوفی٧٤٨ھ، ج: ٣، ص: ٤١٦، رقم الترجمة: ٣٧٣٨، مكتبه: رحمانيه۔

تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني المتوفی٧٤٨ھ، ج:٢، ص: ٣٨٠، رقم الترجمة: ٣٣١١، مكتبه: دار الحديث القاهرة۔

الكامل فی ضعفاء الرجال، للحافظ الجرجاني المتوفی٣٦٥ھ، ج:٥، ص: ٨٤، رقم الترجمة: ٩١٠/٣ مكتبه: دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

قبل ان يخرف"۔[1] علامہ ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے قائل ہے کہ ابن ابی ذئب نے صالح سےقبل الاختلاط سماع کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں :"ثقة إلا انه خرف وكبر وسماع ابن ابی ذئب منه قبل ذلك"۔[2]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "من سمع منه قديما فهو صحيح"۔ [3]

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ "الضعفاء والمتروكون" میں تحریر فرماتے ہیں : "قلت : هذا الرجل ثقة وقد سمع منه قديما إبن أبي ذئب...قال احمد ما أعلم بأسا ممن سمع منه قديما"۔[4]

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "لا بأس به اذا روى عنه القدماء مثل إبن أبي ذئب "۔[5] ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "وممن سمع منه قبل ان يخرف إبن أبي ذئب "۔ [6] علامہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "صالح مولى التوأمة تغير آخرا

---

[1]: "ميزان الاعتدال للعلامة شمس الدين الذهبی المتوفی٧٤٨ھ، ج: ٣، ص: ٤١٦، رقم الترجمة: ٣٧٣٨، مكتبه: رحمانيه۔

[2]: "ميزان الاعتدال للعلامة شمس الدين الذهبی المتوفی٧٤٨ھ، ج: ٣، ص: ٤١٦، رقم الترجمة: ٣٧٣٨، مكتبه: رحمانيه۔

المختلطين للإمام العلائی المتوفی٧٦١ھ، ج:١، ص: ٥٨، رقم الترجمة: ٢٣۔

[3]: "المختلطين للإمام العلائی المتوفی٧٦١ھ، ج:١، ص: ٥٨، رقم الترجمة: ٢٣۔

[4]: "الضعفاء والمتروكون لابن الجوزي المتوفی ٥٩٧ھ، رقم الترجمة: ١٦٧٦۔

[5]: "تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني المتوفی٧٤٨ھ، ج:٢، ص: ٣٨٠، رقم الترجمة: ٣٣١١، مكتبه: دار الحديث القاهرة۔

[6]: "الضعفاء والمتروكون لابن الجوزي المتوفی ٥٩٧ھ، رقم الترجمة: ١٦٧٦۔

فحديث إبن أبي ذئب عنه مقبول لسنه و لسماعه منه..."۔[1]

الغرض اگر چہ صالح آخر میں اختلاط کا شکار ہوگئے تھے لیکن ابن ابی ذئب نے اس سے قبل الاختلاط سماع کی ہے، اس لئے مذکورہ روایت صحیح ہے اور جس روایت میں "فلا شيء عليه" کے الفاظ ہے وہ روایت ضعیف ہے البانی نے ("ضعيف الجامع الصغير وزيادته ، ج:١ ، ص: ٨١٧ ، رقم الحديث : ٥٦٦٧ ۔ الجامع الصغير ، ج:١ ، ص: ١٢٤٥ ، رقم الحديث : ١٢٤٤٢) میں اسے ضعیف قرار دیا ہے .....۔

کیا آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ہر عمل سنت اور ہر حدیث واجب العمل ہوتا ہے ؟

یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل سنت نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا ہوگا جبکہ عام امتی کے لئے اسے کرنا مکروہ یا خلاف اولی ہوگا ،

بعض لوگ فقہاء احناف پر یہ اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ انہوں نے فلاں عمل کو خلاف اولی یا مکروہ قرار دیا ہے حالانکہ صحیحین یا سنن اربعہ وغیرہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا تو فقہاء احناف کی مذکورہ حکم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ٹکراؤ ہے..۔

دراصل مذکورہ اختراعی ٹکراؤ کا داغ بیل ڈالنے والے لوگ مذہبی تعصب یا

---

[1] : "الكامل فی ضعفاء الرجال ، للحافظ الجرجاني المتوفی ٣٦٥ھ ، ج: ٥ ، ص: ٨٤ ، رقم الترجمة : ٩١٠/٣ مکتبہ : دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

جہالت کی شکار ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مطلق جواز اور کراہت **مانعة الجمع** ہر گز نہیں بلکہ بسا اوقات کوئی عمل جائز ہوگا لیکن اس کا کرنا مکروہ ہوگا، حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "**وَفِي رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ إِمَّا أَنْ تُقْطَعَ رُءُوسُهَا أَوْ تُجْعَلَ بُسُطًا تُوطَأُ وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ تَرْجِيحُ قَوْلِ مَنْ ذَهَبَ إِلَى أَنَّ الصُّورَةَ الَّتِي تَمْتَنِعُ الْمَلَائِكَةُ مِنْ دُخُولِ الْمَكَانِ الَّتِي تَكُونُ فِيهِ بَاقِيَةٌ عَلَى هَيْئَتِهَا مُرْتَفِعَةٌ غَيْرُ مُمْتَهَنَةٍ فَأَمَّا لَوْ كَانَتْ مُمْتَهَنَةً أَوْ غَيْرَ مُمْتَهَنَةٍ لَكِنَّهَا غُيِّرَتْ مِنْ هَيْئَتِهَا إِمَّا بِقَطْعِهَا مِنْ نِصْفِهَا أَوْ بِقَطْعِ رَأْسِهَا فَلَا امْتِنَاعَ وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ ظَاهِرُ حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ الْمَاضِي قِيلَ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَمْتَنِعُ مِنْ دُخُولِ الْبَيْتِ الَّذِي فِيهِ صُورَةٌ إِنْ كَانَتْ رَقْمًا فِي الثَّوْبِ وَظَاهِرُ حَدِيثِ عَائِشَةَ الْمَنْعُ وَيُجْمَعُ بَيْنَهُمَا بِأَنْ يُحْمَلَ حَدِيثُ عَائِشَةَ عَلَى الْكَرَاهَةِ وَحَدِيثُ أَبِي طَلْحَةَ عَلَى مُطْلَقِ الْجَوَازِ وَهُوَ لَا يُنَافِي الْكَرَاهَةَ قُلْتُ وَهُوَ جَمْعٌ حَسَنٌ لَكِنَّ الْجَمْعَ الَّذِي دَلَّ عَلَيْهِ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ أَوْلَى مِنْهُ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ**"۔[1]

دراصل آپ ﷺ نے کوئی عمل بطور تعلیم کیا ہوگا جو کہ آپ ﷺ کے حق میں اس کا کرنا جائز تھا نہ کہ امتی کے حق میں۔ اس کا مثال ملاحظہ ہو: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں باب: **"باب الرجل يوصى صاحبه"** کے تحت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہیں: "**عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا أَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ، عَدَلَ إِلَى الشِّعْبِ فَقَضَى حَاجَتَهُ، قَالَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ: فَجَعَلْتُ**

---

[1]: فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني المتوفى، باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة، ج: ۱۰، ص۳۹۲ **الناشر: دار المعرفة بيروت**،۔

أَصُبُّ عَلَيْهِ وَيَتَوَضَّأُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَتُصَلِّي؟ فَقَالَ: "الْمُصَلَّى أَمَامَكَ"۔[1]

نیز مسند احمد کی ایک روایت میں ہے:"....ثُمَّ دَعَا بِالْوَضُوءِ، فَتَوَضَّأَ وُضُوءًا لَيْسَ بِالْبَالِغِ جِدًّا..."۔[2]

مذکورہ بالا روایاتوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے وضو میں دوسروں سے استعانت طلب کی ہیں، حالانکہ فقہاء کرام نے وضو میں دوسروں سے استعانت طلب کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے،امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "احضار الماء " میں اصلا کراہت نہیں جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"قال النووي :الاستعانة ثلاثة أقسام : إحضار الماء، ولا كراهة فيه اصلا ، قلت : لكن الأفضل خلافه، قال: الثاني مباشرة الاجنبي الغسل وهذا مكروه إلا لحاجة ، الثالث الصب : وفيه وجهان :أحدهما يكره والثاني: خلاف الأولى"۔[3]

الغرض یہ کہ استعانت فی الوضوء اگر صب الماء کے طریقے سے ہو تو ایک قول کے مطابق مکروہ جبکہ دوسری قول کے مطابق خلاف اولی ہے اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ کا عمل کیسے مکروہ یا خلاف اولیٰ ہو سکتا ہے ؟ یہ سوال اور اس کا جواب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں :"وتعقب بأنه إذا ثبت أن النبي ﷺ فعله لا يكون خلاف الأولى، واجيب بأنه قد يفعله لبيان الجواز فلا يكون في حقه خلاف الأولى بخلاف

---

[1]: مُسْنَدُ أحمد ، مسند الأنصار ، حَدِيثُ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ حِبِّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسلم ، رقم الجزء : ۳۶ ، رقم الحديث : ۲۱۷۴۲ ۔

[2]: فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر العسقلاني المتوفى، باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة ، ج: ۱۰ ،ص۳۹۲ **الناشر: دار المعرفة بيروت**،۔

[3]: "فتح الباري شرح صحيح البخاري، ج:۱ ، ص:۳۷۸ ، مكتبه : قديمی كتب خانه۔

غیرہ "۔[1] علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "وأما استعانة عليه الصلاة والسلام بالمغيرة فلتعليم الجواز"۔[2]

خلاصہ یہ کہ استعانت فی الوضوء عام امتی کے لئے مکروہ ہے،جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیےایسا کرنا جائز تھاکیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو تعلیم دینے کے لیے کوئی کام سر انجام دے دے تو وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جائز ہوتا ہے نہ کہ امتی کے حق میں ۔

دوسری مثال بھی ملاحظہ کیجیئے:صہیب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہےوہ فرماتےہیں:"مَرَرْتُ بِرَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ يُصَلِّي، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ إِشَارَةً"۔[3]

مذکورہ بالا روایت سےواضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران نماز صہیب رضی اللہ عنہ کو اس کی سلام کا جواب اشارے سے دیا تھا،حالانکہ فقہاء کرام نےنماز میں اشارےسے سلام کی جواب دینے کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"وما عن صهيب مررت برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو يصلي فسلمت عليه فرد على اشارة ولا أعلمه إلا قال الإشارة باصبعه رواه أبو داود والترمذي وحسنه،. فإن قلت : انها تقضى عدم الكراهة وقد صرحو كما في منية المصلي وغيرها بكراهة السلام على المصلي ورده بالإشارة اجاب العلامة الحلبي بأنها كراهة تنزيهية وفعله عليه السلام لها إنما كان تعليما للجواز فلا

[1]: "فتح الباري شرح صحيح البخاري، ج:۱، ص:۳۷۸ ، مكتبه: قدیمی کتب خانہ۔

[2]: "رد المحتار على در المختار، ج:۱، ص: ۱۲٦۔

[3]: "أخرجه أبو داود في سننه ، كِتَابُ الصَّلَاةِ ، تَفْرِيعُ أَبْوَابِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ ، بَابٌ : رَدُّ السَّلَامِ فِي الصَّلَاةِ، رقم الجزء :۱ ، رقم الحديث : ۹۲۵۔

یوصف بالکراھۃ"۔ [۱]

تیسری مثال بھی ملاحظہ کیجئے :امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں عروہ بن زبیر کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں : "أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ، أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِي يَسْقُونَ بِهَا النَّخْلَ. فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ : سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ. فَأَبَى عَلَيْهِمْ، فَاخْتَصَمُوا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِلزُّبَيْرِ : "اسْقِ يَا زُبَيْرُ، ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ". فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ ؟ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ نَبِيِّ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم، ثُمَّ قَالَ: "يَا زُبَيْرُ، اسْقِ، ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ"۔ [۲]

" عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:کہ انصار کا ایک آدمی حرہ کےایک مہرےکے بارے میں کہ جس سے کھجور کےدرختوں کو پانی لگاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کےسامنے جھگڑا کرنے لگا انصاری نے کہا: کہ پانی کو چھوڑ دے تاکہ وہ بہتا رہے۔ زبیر رضی اللہ عنہ نےانکار کردیا تو سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کےسامنے اس جھگڑے کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے زبیر! تو اپنے درختوں کو پانی دے پھر پانی اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دے۔ انصاری (یہ بات سن کر) غصہ میں آگیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول ! یہ زبیر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے (یہ بات سن کر) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کا رنگ بدل گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے زبیر !

[۱]: "البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، ج: ۲، ص: ۱۵، مکتبہ: رشیدیہ۔

[۲]: "صحیح مسلم، كِتَابُ :الْفَضَائِلُ، بَابٌ: وُجُوبُ اتِّبَاعِهِ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الجزء : ۷، رقم الحدیث: ۲۳۵۷۔

اپنے درختوں کو پانی دے پھر پانی کو روک لے یہاں تک کہ پانی دیواروں تک چڑھ جائے ''۔

مذکورہ بالا روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے غصہ کی حالت میں زبیر رضی اللہ عنہ اور انصاری کے درمیان فیصلہ فرما دیا ۔حالانکہ دوسری حدیث میں ہے : "لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ "۔[1]

''کوئی قاضی دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے '' اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ کرانا درست نہیں ہے، حالانکہ آپ ﷺ نے خود غصہ کی حالت میں زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کے درمیان فیصلہ فرما دیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اظہار جواز کے لئے ایسا کیا تھا یعنی یہ کہ حاکم کی غصہ کی حالت میں کیا ہوا درست فیصلہ نافذ العمل ہوگا یا نہیں ؟..اس لئے آپ ﷺ کے لئے (لبیان الجواز) ایسا کرنا (یعنی القضاء حین الغضب) جائز تھا جبکہ دوسروں کے لئے مکروہ ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : فَرْعٌ لَوْ خَالَفَ فَحَكَمَ فِي حَالِ الْغَضَبِ صَحَّ إِنْ صَادَفَ الْحَقَّ مَعَ الْكَرَاهَةِ هَذَا قَوْلُ الْجُمْهُورِ وَقَدْ تَقَدَّمَ أَنَّهُ ﷺ قَضَى لِلزُّبَيْرِ بِشِرَاجِ الْحَرَّةِ بَعْدَ أَنْ أَغْضَبَهُ خَصْمُ الزُّبَيْرِ لَكِنْ لَا حُجَّةَ فِيهِ لِرَفْعِ الْكَرَاهَةِ عَنْ غَيْرِهِ لِعِصْمَتِهِ ﷺ فَلَا يَقُولُ فِي الْغَضَبِ إِلَّا كَمَا يَقُولُ فِي الرِّضَا قَالَ النَّوَوِيُّ فِي حَدِيثِ اللُّقَطَةِ فِيهِ جَوَازُ الْفَتْوَى فِي حَالِ الْغَضَبِ وَكَذَلِكَ الْحُكْمُ وَيَنْفُذُ وَلَكِنَّهُ مَعَ الْكَرَاهَةِ فِي حَقِّنَا وَلَا يُكْرَهُ فِي حَقِّهِ

---

[1]: أخرجه البخاري في صحيحه، كِتَابُ الْأَحْكَامِ ، بَابٌ : هَلْ يَقْضِي الْحَاكِمُ أَوْ يُفْتِي وَهُوَ غَضْبَانُ ؟، رقم الجزء : ٩ ، رقم الحديث: ٧١٥٨۔

ﷺ لِأَنَّهُ لَا يُخَافُ عَلَيْهِ فِي الْغَضَبِ مَا يُخَافُ عَلَى غَيْرِهِ"۔ [1]

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: "وَلَيْسَ فِي الْأَحَادِيثِ إِشْكَالٌ وَلَا فِيهَا ضَعِيفٌ بَلِ الصَّوَابُ أَنَّ النَّهْيَ فِيهَا مَحْمُولٌ عَلَى التَّنْزِيهِ وَشُرْبُهُ قَائِمًا لِبَيَانِ الْجَوَازِ وَأَمَّا مَنْ زَعَمَ نَسْخًا أَوْ غَيْرَهُ فَقَدْ غَلِطَ فَإِنَّ النَّسْخَ لَا يُصَارُ إِلَيْهِ مَعَ إِمْكَانِ الْجَمْعِ لَوْ ثَبَتَ التَّارِيخُ وَفِعْلُهُ ﷺ لِبَيَانِ الْجَوَازِ لَا يَكُونُ فِي حَقِّهِ مَكْرُوهًا أَصْلًا فَإِنَّهُ كَانَ يَفْعَلُ الشَّيْءَ لِلْبَيَانِ مَرَّةً أَوْ مَرَّاتٍ وَيُوَاظِبُ عَلَى الْأَفْضَلِ"۔ [2]

الغرض آپ ﷺ کا ہر عمل سنت نہیں ہوتا بلکہ آپ ﷺ نے بسا اوقات بیان جواز کے لئے بطور تعلیم کوئی کام کیا ہوگا یا یہ کہ وہ آپ ﷺ کے خصوصیات میں سے ہوگا جو کہ آپ ﷺ کے لئے اس کا کرنا مباح ہوگا نہ کہ دوسروں کے لئے، اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ آپ ﷺ کا ہر عمل سنت ہوتا ہے۔

مسئلہ لزم النفل بالشروع

اعتراض نمبر ۱۳: مولوی امین اللہ لکھتے ہیں: "فقه کښې راځي لکه هدايه (۱/ ۱۴۸، شرح وقايه ۱/ ۲۰۳، کنز ۱/ ۶۱) چه چا نفل مونځ مات کړو نو قضائي واجب ده او بيائي په دې باندې شپاړس مسائل بنا کړي دي او حال دا چې نبي

---

[1]: فتح الباري شرح صحيح البخاري كتاب، كتاب الأحكام، باب هل يقضي القاضي أو يفتي وهو غضبان، ج: ۱۳، ص: ۱۳۸، **الناشر: دار المعرفة بيروت۔**

[2]: فتح الباري شرح صحيح البخاري، ج: ۱۰، ص: ۸۳، **الناشر: دار المعرفة بيروت۔**

ﷺفرمائی : ۔ الصائم المتطوع امیر لنفسه ان شاء صام وإن شاء أفطر " دا رنگ نبی عیه السلام خپله نفلی روژه ماته کړیده او بیا ئی قضا نه دا راوړے (او گوره مشکوة) او دې په مقابل کښې حدیث ضعیف دې

جواب : مولوی امین اللہ کی مذکورہ بالا اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ فقہ کے مطابق نفل نماز شروع کرنے کے بعد پھر اسے پورا کرنا ضروری ہے اگر پورا نہ کرے تو اس کی قضاء لازم ہوگی، حالانکہ یہ بات اس حدیث"الصائم المتطوع امیر لنفسه ان شاء صام وإن شاء أفطر " کی خلاف ہیں،پہلی بات ہیں کہ موصوف کہتے ہیں کہ آپﷺ نے نفلی روزے کو توڑا جبکہ بعد میں اس کی جگہ قضاء روزہ بھی نہ رکھا، موصوف سے سوال یہ ہے کہ یہ کہاں مذکور ہے کہ آپﷺ نے بعد میں قضاء روزہ نہ رکھی؟کیونکہ **صحیح مسلم** کی مذکورہ روایت جسے موصوف نے **مشکاۃ** کی حوالے سے نقل کیا ہے اس میں یہ بات کہیں پر مذکور نہیں ہیں کہ آپﷺ نے نفلی روزے کو توڑنے کے بعد اس کی جگہ قضاء روزہ نہ رکھا چنانچہ **صحیح مسلم** کی مذکورہ روایت ملاحظہ کیجیے : "عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَتْ : دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، فَقَالَ : " هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ ؟ ". فَقُلْنَا : لَا. قَالَ : " فَإِنِّي إِذَنْ صَائِمٌ ". ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا آخَرَ، فَقُلْنَا : يَا رَسُولَ اللَّهِ، أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ، فَقَالَ : " أَرِينِيهِ، فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا ؛ فَأَكَلَ "۔[1]

الغرض مذکورہ روایت میں اس بات کا ذکر نہیں پایا جاتا کہ آپﷺ نے نفلی روزے کو توڑنے کے بعد بعد میں قضاء روزہ نہ رکھا۔ جو علماء کرام لزم النفل بالشروع کے قائل

---

[1] : "أخرجه مسلم في صحيحه ،كِتَابٌ : الصِّيَامُ ، بَابٌ : جَوَازُ صَوْمِ النَّافِلَةِ بِنِيَّةٍ مِنَ النَّهَارِ قَبْلَ الزَّوَالِ، رقم الجزء : ٣، رقم الصفحة : ١٦٩، رقم الحديث : ١١٥٤۔

ہیں ان کا دلیل قرآن پاک کا یہ آیت کریمہ ہے : ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾۔[۱]

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"احتج علماؤنا وغيرهم بهذه الآية على أن التحلل من التطوع صلاة كان أو صوما بعد التلبس به لا يجوز، لأن فيه إبطال العمل وقد نهى الله عنه"۔[۲]

دوسری بات یہ ہے کہ بیہ کہنا درست نہیں ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسری روایت ضعیف ہے، کیونکہ وہی روایت صحیح ہے چنانچہ مسند ابی یعلی کے محقق حسین سلیم اسد اس روایت کے بارے میں تحریرفرماتے ہیں :"إسناده صحيح"۔[۳]

صحیح ابن حبان کے محقق شعیب الارناؤوط مذکورہ روایت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :"إسناد صحيح على شرط مسلم "۔[٤]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں مذکورہ روایت پر باب قائم کیا ہے : "باب ما جاء في إيجاب القضاء عليه " اس کے تحت مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں : "وَرَوَى صَالِحُ بْنُ أَبِي الأَخْضَرِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَ هَذَا. وَرَوَاهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَمَعْمَرٌ، وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، وَزِيَادُ بْنُ سَعْدٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحُفَّاظِ عَنِ

---

[۱]: "سورة محمد، رقم الآية: ۳۳۔

[۲]: "تفسير أحكام القرآن للقرطبي رحمۃ اللہ علیہ، تحت رقم الآية: ۳۳۔

[۳]: "مسند أبي يعلى محققا، ص: ۸۵٦، رقم الحديث: ٤٦۳۷۔

[٤]: "صحيح إبن حبان محققا، باب قضاء الصوم، ذكر الأمر بالقضاء لمن نوى صيام التطوع ثم أفطر، ج: ۸، ۲۸٤، رقم الحديث: ۳۵۱۷۔

الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَائِشَةَ مُرْسَلًا . وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ عُرْوَةَ وَهَذَا أَصَحُّ"۔

(اصح کی اصطلاح عام طور صحیح کے مقابلے میں استعمال ہوتی ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ مذکورہ روایت صحیح ہے) آگے تحریر فرماتے ہیں : "وقد ذهب قوم من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ وغيرهم إلى هذا الحديث فراوا عليه القضاء إذا أفطر وهو قول مالك بن أنس "۔[1]

مشہور محدث علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ روایت پر باب قائم کیاہے: "باب قضاء الصوم، ذكر الأمر بالقضاء لمن نوى صيام التطوع ثم أفطر "۔نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "قضاء التطوع" عنوان کے تحت مذکورہ روایت کو نقل کیا[2] ہے..

سی طرح موطأ مالك میں ہے : "أَنَّ عَائِشَةَ ابْنَةَ طَلْحَةٍ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا زَوْجُهَا هُنَالِكَ وَهُوَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرٍ، فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ: «مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَدْنُوَ إِلَى أَهْلِكَ تُقَبِّلُهَا وَتُلاعِبُهَا؟» ، قَالَ: " أُقَبِّلُهَا وَأَنَا صَائِمٌ ؟ قَالَتْ: نَعَمْ "، قَالَ مُحَمَّدٌ: لا بَأْسَ بِالْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ إِذَا مَلَكَ نَفْسَهُ عَنِ الْجِمَاعِ، فَإِنْ خَافَ أَنْ لا يَمْلِكَ نَفْسَهُ، فَالْكَفُّ أَفْضَلُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَالْعَامَّةِ قَبْلَنَا "۔[3]

سنن کبری للنسائی کی ایک روایت میں ہے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:دخل

[1]: "سنن الترمذي، أَبْوَابُ الصَّوْمِ، بَابٌ: إِيجَابِ الْقَضَاءِ عَلَيْهِ، رقم الجزء: ٢، رقم الصفحة: ١٠٤۔

[2]: "موطأ إمام مالك، ص: ٢٤٨۔

[3]: "موطأ إمام مالك برواية محمد بن حسن الشيباني، ج:١، ص: ١٢٥، رقم الحديث: ٣٦٣۔ الناشر: المكتبة العلمية۔

علینا رسول الله ﷺ فقلنا إن عندنا حیسا قد خباناه لك ، قال قربوه فأكل وقال انی قد كنت اردت الصوم ولكن اصوم یوما مكانه"۔[1]

مذکورہ بالا روایت کے الفاظ "ولكن اصوم یوما مكانه" سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نفل عبادت شروع کرنے سے اسے پورا کرنا لازم ہوجاتا ہے۔

سوال : مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"قال ابو عبد الرحمن هذا خطأ قد روى هذا الحديث جماعة فلم يذكر احد منهم :"ولكن اصوم یوما مكانه"۔

جواب: مذکورہ الفاظ (ولكن اصوم يوما مكانه)سفیان ابن عیینہ کی روایت کے الفاظ ہے جو باتفاق محدثین ثقہ راوی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ الفاظ کی صحت کے قائل ہیں اس لئے مذکورہ اضافہ ثابت ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ قول کا تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "ثمَّ انْظُر مَا أَقُول لَك، من الْعجب العجاب، وَهُوَ أَن أَحْمد قَالَ: هَذَا الحَدِيث قد رَوَاهُ جمَاعَة عَن سُفْيَان دون هَذِه اللَّفْظَة، وَرَوَاهُ جمَاعَة عَن طَلْحَة ابْن يحيى دون اللَّفْظَة مِنْهُم: سُفْيَان الثَّوْرِيّ وَشعْبَة بن الْحجَّاج وَعبد الْوَاحِد بن زِيَاد ووكيع بن الْجراح وَيحيى بن سعيد الْقطَّان ويعلى بن عبيد وَغَيرهم، وَأخرجه مُسلم فِي (صَحِيحه) من حَدِيث عبد الْوَاحِد وَغَيره دون هَذِه اللَّفْظَة. وَقَالَ الْبَيْهَقِيّ فِي (السّنَن الْكَبِيرَة) : رِوَايَة هَؤُلَاءِ تدل على خطأ هَذِه اللَّفْظَة، وَهَذَا الْعجب العجاب مِنْهُ أَن يخطِّيء هَهُنَا إِمَامه الشَّافِعِي ويخطِّيء مثل سُفْيَان بن عُيَيْنَة، وَالشَّافِعِيّ إِمَام ثِقَة، وروى هَذِه اللَّفْظَة من مثل سُفْيَان الَّذِي هُوَ من أكبر مشايخه، ثمَّ

[1]: "سنن کبری للنسائی، ج: ۳، ص: ۳۲۸٦۔

لم يذكر خِلَافه عَنهُ، ثمَّ يتَلَفَّظ بِمثل هَذَا الْكَلَام البشيع لأجل تَضْعِيف مَا احتجت بِهِ الْحَنَفِيَّة، وغمض عَيْنَيْهِ من جِهَة الشَّافِعِي وَمن جِهَة شَيْخه، وَلَيْسَ هَذَا من دأب الْعلمَاء الراسخين، فضلا عَن الْعلمَاء المقلدين۔ وَأما قَول البُخَارِيّ والذهلي: إِنَّه لَا يَصح، فَهُوَ نفي، وَالْإِثْبَات مقدم عَلَيْهِ. وَقَوله: قَالَ النَّسَائِيّ هَذَا خطأ دَعْوَى بِلَا إِقَامَة برهَان "۔[1]

اسی طرح یہ بات غلط ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت رمضان المبارک کے روزوں سے متعلق ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت سے نفلی عبادات میں قضاء لانے پر استدلال کیا ہے چنانچہ علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "قال ابو عمر : من حجة مالك ومن قال بقوله فى ايجاب القضاء على المتطوع إذا افسد صومه عامدا مع حديث بن شهاب المذكور فى هذا الباب حديث عائشة وحفصة وقول الله عزوجل (ومن يعظم حرمات الله فهو خير له) الحج ٣٠ وليس من أفطر متعمدا بعد دخوله فى الصوم بمعظم لحرم الصوم وقد أبطل عمله فيه وقد قال الله عزوجل (ثم اتمو الصيام الى الليل) البقرة ١٨٧ وهو يقتضى عموم الفرض والنافلة "۔[2]

مسند ابی داود کی روایت میں ہے ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : "صنع رجل طعاما ، ودعا رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه ، فقال رجل : إنى صائم ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أخوك صنع طعاما ودعاك ، افطر واقض يوما مكانه "۔[3]

---

[1]: "عمدة القارئ شرح صحيح البخاري، ج:١١، ص:١١٠۔

[2]: الاستذكار لابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ، ج: ٣ ص: ٣٥٨

[3]: "مسند أبي داود الطيالسى، ج: ٣، ص: ٦٥٥ ، رقم الحديث : ٢٣١٧۔

مذکورہ بالا روایت سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس قول "إني صائم " والا شخص نفلی روزے سے تھا، ورنہ پھر آپ ﷺ کا فرمان "**اقض یوما مکانه** " کا کیا مراد ہے ؟

الغرض فرض یا نفلی عبادت مثلا نماز روزہ وغیرہ کو شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنا واجب ہے۔

کیافرض نمازوں میں بچے کی امامت درست ہے ؟

اعتراض نمبر ١٤: مولوی امین اللہ لکھتے ہیں : "(دماشوم امامتي صحیح ده)

(حدیث نبوي ﷺ) (٤٨)عن عمرو بن سلمة رضي الله عنه.......قال : فَقَدَّمُونِي بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ سنين، أَوْ سَبْعِ سِنِينَ".

ترجمه : عمرو بن سلمة رضی الله عنه فرمائي : زه به صحابو دامامتۍ دپاره مخکښې کولم او زه د شپږو یا ووٚ ٧ کلونو وم۔

مقصد دادے چي د ماشوم امامتي صحیح ده اګر که د شپږو کلونو ولي نه وي : امام شوکاني رحمه الله فرمائي : وقد ذهب الی جواز امامة الصبي الحسن واسحاق والشافعي والامام یحي ،د ماشوم د امامتۍ په جواز باندي حسن بصري اسحاق بن راهویه او امام شافعي امام یحي قائل دي د دوئ سره امام بخاري رحمه الله هم ملګرے دے۔

(د حدیث خلاف فقه حنفي)

(ولا يجوز للرجال أن يقتدو بامرأة او صبي)

(ترجمه) د سړو دپاره جائز نه دي چي په ښځه او ماشوم پسې اقتداء وکړي۔ مقصد دادے چي د ماشوم امامتي کول جائز نه دي اګر که حديث هر څه وايي خو مونږ د مذهب منو ــــــ"۔[1]

جواب : اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث (عمرو بن سلمہ کی رضی اللہ عنہ روایت) سے معلوم ہوتاہے کہ بچے کی امامت درست ہے جبکہ فقہ حنفی میں ہے کہ آدمی کی نماز عورت اور بچے کے پیچھے درست نہیں....۔

اس کا جواب یہ ہے کہ احناف، حنابلہ اور مالکیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نابالغ کی اقتدا میں بالغ شخص کی نماز جائز نہیں ہے کیونکہ نابالغ بچے کی نماز نفل کے حکم میں ہوتا ہے جبکہ بالغ کی نماز فرض ہوگی.علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"اقتداء البالغين بالصبيان في الفرائض أنه لا يجوز عندنا ; لأن الفعل من الصبي لا يقع فرضاً فكان اقتداء المفترض بالمتنفل......"۔[2]

نیز قدوری میں ہے : " قال أصحابنا: لا تصح إمامة الصبي، خلافاً للشافعي "۔[3] ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"ولا يصح ائتمام البالغ بالصبي في الفرض،

---

[1]: فقه حنفي بمقابله حديث نبوي صلی اللہ علیہ وسلم، حديث نمبر : ٤٨ ، ص: ١٩٥١٩٤ ، ن : المكتبة الدعوة السلفية۔

[2]: "بدائع الصنائع للكاساني ، فصل شرائط اركان الصلاة، ج:١ ، ص: ١٤٣ط : دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

[3]: "قدوري"، ج:٢ ، ص:٨٥٨۔ط : دار السلام القاهرة۔

نص عليه أحمد، وهو قول ابن مسعود وابن عباس. وبه قال عطاء، ومجاهد، والشعبي، ومالك، والثوري، والأوزاعي، وأبو حنيفة"۔[1]

الغرض ائمہ ثلاثہ نابالغ کی امامت کی جواز کے قائل نہیں ہیں ۔ رہی بات اعتراض میں مذکور عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تو اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہو رہا کہ نابالغ کی امامت جائز ہے بلکہ ان لوگوں نے عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اجتہاد سے امام بنایا تھا اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بارے میں کوئی حکم نہیں دیا تھا کہ آپ لوگ نابالغ بچے کو امام بنا لو اور نہ ہی اس کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انہیں یہ حکم فرما دیا تھا کہ تم میں سے جو شخص" اقرء" ہو وہ نماز پڑھائے جیسا کہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ خود بیان فرماتے ہیں :" فَانْطَلَقَ أَبِي وَافِدًا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي نَفَرٍ مِنْ قَوْمِهِ، فَعَلَّمَهُمُ الصَّلاةَ، فَقَالَ:"لِيَؤُمَّكُمْ أَقْرَؤُكُمْ"۔[2]

معجم کبیر کی اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب حاضرین کو کیا تھا جو یقینا بالغین تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تو یہ تھا کہ اقرء شخص امامت کرائے یہ نہیں فرمایا تھا کہ نابالغ بچہ امامت کرائے لیکن انہوں نے خود از راہ اجتھاد عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی تعین کی کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ سب سے اچھا قرآن پڑھتے تھے عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی تفصیلی روایت ملاحظہ کیجئے : "عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ قَالَ قَالَ لِي أَبُو قِلَابَةَ أَلَا تَلْقَاهُ فَتَسْأَلَهُ قَالَ فَلَقِيتُهُ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ كُنَّا بِمَاءٍ مَمَرَّ النَّاسِ وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا الرُّكْبَانُ

---

[1]: "المغني لابن قدامة"، ج:٢ ص ١٦٨١٦٧۔

"الشرح الكبير على متن المقنع"، ج:٢ ص:٥٤۔

[2]: "المعجم الكبير: رقم الحديث ٦٢٢٥۔

فَنَسْأَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ مَا لِلنَّاسِ مَا هَذَا الرَّجُلُ فَيَقُولُونَ يَزْعُمُ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَهُ أَوْحَى إِلَيْهِ أَوْ أَوْحَى اللَّهُ بِكَذَا فَكُنْتُ أَحْفَظُ ذَلِكَ الْكَلَامَ وَكَأَنَّمَا يُقَرُّ فِي صَدْرِي وَكَانَتْ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِإِسْلَامِهِمْ الْفَتْحَ فَيَقُولُونَ اتْرُكُوهُ وَقَوْمَهُ فَإِنَّهُ إِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ أَهْلِ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِإِسْلَامِهِمْ وَبَدَرَ أَبِي قَوْمِي بِإِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَاللَّهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا وَصَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا فَإِذَا حَضَرَتْ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا فَنَظَرُوا فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ قُرْآنًا مِنِّي لِمَا كُنْتُ أَتَلَقَّى مِنْ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُونِي بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ أَوْ سَبْعِ سِنِينَ وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّي فَقَالَتْ امْرَأَةٌ مِنْ الْحَيِّ أَلَا تُغَطُّوا عَنَّا اسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوا لِي قَمِيصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَيْءٍ فَرَحِي بِذَلِكَ الْقَمِيصِ"۔[1]

مذکورہ روایت سے بچے کی امامت کے جواز پر استدلال کرنا کئی وجوہات کی بنا پر درست نہیں ہے، جو درجہ ذیل ہیں۔

پہلی وجہ: مذکورہ روایت سے نابالغ بچے کی امامت کے جواز پر استدلال کرنا غیر صحیح ہے کیونکہ یہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی قوم کی اپنی اجتہاد تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اس کو شامل نہیں تھا کیونکہ مذکورہ روایت میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں کہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے نابالغ ہونے کی حالت میں اس کی امامت کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باوجود عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو امامت پر برقرار رکھا ہو، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امامت کا علم نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی

[1]: "صحیح البخاری: رقم الحدیث: ٤٣٠٢۔

قوم کو محض یہ حکم فرما دیا تھا کہ قوم کے اقرأ شخص امامت کرائے، لوگوں نے اپنے اجتہاد سے عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو امام بنا لیا کیونکہ وہ قوم میں تمام لوگوں کے بنسبت قرآن اچھا پڑھتے تھے اور یہ کہ اس نے قرآن کریم کا کافی حصہ حفظ کرلیا تھا ... ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :" قيل لأحمد: حديث عمرو بن سلمة؟ قال: لا أدري أي شيء هذا. ولعله إنما توقف عنه لأنه لم يتحقق بلوغ الأمر إلى النبي صلی اللہ علیہ وسلم فإنه كان بالبادية في حي من العرب بعيد من المدينة. وقوى هذا الاحتمال قوله في الحديث: وكنت إذا سجدت خرجت استي. وهذا غير سائغ"۔[1]

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کا علم ہی نہ تھا اور کسی امر کی جواز کے لئے فقط اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عہد میں واقع ہونا کافی نہیں ہے جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اس کو شامل نہ ہو۔علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"وَكَانَ مِنَ الْحُجَّةِ لَهُمْ عَلَى أَهْلِ الْقَوْلِ الْأَوَّلِ فِي هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ ذَلِكَ الْفِعْلَ مِنْ تَقْدِيمِ ذَلِكَ الصَّبِيِّ وَالِائْتِمَامِ بِهِ لَمْ يَكُنْ بِأَمْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِذَلِكَ بِعَيْنِهِ، وَإِنَّمَا كَانَ مِنْ فِعْلِ الَّذِينَ قَدَّمُوهُ مِمَّا قَدْ دَخَلَ عَلَى قِلَّةِ عِلْمِهِمْ بِأَحْكَامِ الصَّلَاةِ ائْتِمَامُهُمْ بِمَكْشُوفِ الْعَوْرَةِ فِيهَا، وَذَلِكَ مِمَّا تَمْنَعُ مِنْهُ الشَّرِيعَةُ وَلَيْسَ لِأَنَّهُ كَانَ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَكُونُ حُجَّةً، إِذْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ يَقِفْ عَلَيْهِ فَيُمْضِيَهُ"۔[2]

عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ مرفوع القلم ہونے کی وجہ سے مامور اور نہ ہی مکلف تھے

---

[1]: "المغني لابن قدامة رحمۃ اللہ علیہ، ج:٢ ص١٦٨١٦٧۔

"الشرح الكبير على متن المقنع"، ج:٢ ص:٥٤۔

[2]: "شرح مشكل الآثار"، ج:١٠، ص:١٢١، للإمام أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة المصري المعروف بالطحاوي ت: شعيب الأرنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة بيروت لبنان۔

جبکہ نماز کی حکم اصلا بالغین کو ہے چنانچہ اس صورت میں امامت صرف اس شخص کی صحیح ہوگی جو مکلف اور مامور ہو. علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں : "قال علي : وأما نحن فلا حاجة عندنا في غير ما جاء به رسول الله ﷺ من إقرار ، أو قول ، أو عمل ، ولو علمنا أن رسول الله ﷺ عرف هذا وأقره لقلنا به ، فأما إذا لم يأت بذلك أثر فالواجب عند التنازع أن يرد ما اختلفنا فيه إلى ما افترض الله علينا الرد إليه من القرآن والسنة : فوجدنا رسول الله ﷺ قد قال : { إذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أقرؤكم } فكان المؤذن مأمورا بالأذان ، والإمام مأمورا بالإمامة ، بنص هذا الخبر . ووجدناه ﷺ قد قال : { إن القلم رفع عن الصغير حتى يحتلم . } فصح أنه غير مأمور ولا مكلف . فإذ هو كذلك فليس هو المأمور بالأذان ، ولا بالإمامة ، وإذ ليس مأمورا بهما فلا يجزئان إلا من مأمور بهما ، لا ممن لم يؤمر بهما"۔[1]

خلاصہ یہ کہ یہ روایت مرفوع نہیں ہے ۔

دوسری وجہ: نابالغ کی امامت سے متعلق مذکورہ حکم منسوخ ہے جس طرح کشف عورت کے ساتھ نماز ادا کرنا درست نہیں اگر چہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں سجدہ کرتا تھا تو میری سرین کھل جاتی تھی تو ایک عورت نے کہا کہ اپنے قاری کے ستر کو چھپاؤ.... جیسا کہ سنن ابی داود کی روایت میں ہے : "عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ بِهَذَا الْخَبَرِ قَالَ فَكُنْتُ أَؤُمُّهُمْ فِي بُرْدَةٍ مُوَصَّلَةٍ فِيهَا فَتْقٌ فَكُنْتُ

---

[1]: المحلى بالآثار لابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ، مسألة صلاة المرأة بالنساء والرجال، ج: ٣ ، ص: ١٣٥ ، ط: دار الفكر بيروت لبنان۔

إِذَا سَجَدْتُ خَرَجَتِ اسْتِي"۔[1]

معجم الاوسط کی روایت میں ہے عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: " إذا سجدت خرجت استي فقالوا الأي الا تغطي عنا استه"۔[2]

جو لوگ مذکورہ روایت سے نابالغ بچے کی امامت کے جواز پر استدلال کرتے ہیں ان سے سوال یہ ہے کہ کیا کشف عورت کے ساتھ نماز ہو سکتی ہے؟ حقیقت یہ کہ کشف عورت بالاجماع حرام ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابتداء میں نابالغ کی امامت جائز تھی پھر یہی حکم منسوخ ہوئی جیسا کہ ابراھیم النحاس تحریر فرماتے ہیں : " قال الإمام أحمد: لا أدري أي شيء هذا ، وقال مرة: دعه ليس بشيء ، وضعف أمر عمرو بن سلمة . وقال مرة: لعله لم يكن يحسن غيره . وقال مرة: رواية أنه كان له سبع سنين فيه رجل مجهول فهو غير صحيح . وقال مرة: كان هذا في أول الإسلام من ضرورة فأما اليوم فلا "۔[3]

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:" والجواب أن ذلك كان في ابتداء الإسلام حين لم تكن صلاة المقتدي متعلقة بصلاة الإمام على ما ذكرنا ، ثم نسخ"۔[4]

---

[1]: "سنن أبي داود: رقم الحديث ٥٨٦۔

[2]: "المعجم الأوسط للطبراني: رقم الحديث ٦٣٩٥۔

[3]: "الجامع لعلوم الإمام أحمد" ، ج:١٤ص:٢١٧ ، ط دار الفلاح للبحث العلمي وتحقيق التراث، الفيوم جمهورية مصر العربية۔

[4]: "بدائع الصنائع للكاساني ، فصل شرائط اركان الصلاة، ج:١ ، ص: ١٤٣ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

تیسری وجہ: تیسری وجہ یہ ہے کہ مذکورہ اثر صحیح ثابت نہیں یہ بات امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے اثر کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور ایک مرتبہ آپ نے فرمایا "اس کو چھوڑو اس میں کچھ نہیں ہے" ابراہیم النحاس تحریر فرماتے ہیں:"قال الإمام أحمد: لا أدري أي شيء هذا ، وقال مرة: دعه ليس بشيء ، وضعف أمر عمرو بن سلمة . وقال مرة: لعله لم يكن يحسن غيره . وقال مرة: رواية أنه كان له سبع سنين فيه رجل مجهول فهو غير صحيح"۔[1]

نیز امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی سند میں روات کا اختلاف واضطراب کا تذکرہ کیا[2] ہے کہ عن عمرو بن سلمة کے بعد بعض راویوں نے عن ابیه کا اضافہ کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا۔

چوتھی وجہ: مذکورہ روایت سے نابالغ بچے کی امامت کے جواز پر استدلال کرنا اس وجہ سے بھی باطل ہے کہ مذکورہ روایت اس حدیث کے خلاف ہے جس میں امام کو ضامن کہا گیاہے اس صورت میں مذکورہ روایت کو مرجوح مانا جائے گا، ابو

---

[1]: "الجامع لعلوم الإمام أحمد"، ج:١٤ص:٢١٧ ،ط: دار الفلاح للبحث العلمي وتحقيق التراث، الفيوم جمهورية مصر العربية۔

قلت: قال محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي :وَكَانَ أَحْمَدُ يُضَعِّفُ أَمْرَ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ"۔

"شرح السنة"، محققا، ج:٣ص:٤٠١ ، ط: المكتب الإسلامي دمشق، بيروت۔

[2]: قلت: قَالَ أَبُو دَاوُدَ رحمۃ اللہ علیہ: وَرَوَاهُ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ مِسْعَرِ بْنِ حَبِيبٍ الْجَرْمِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ قَالَ لَمَّا وَفَدَ قَوْمِي إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَقُلْ عَنْ أَبِيهِ"۔

"سنن أبي داود: تحت رقم الحديث: ٥٨٧۔

ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "الإِمَامُ ضَامِنٌ "۔[1]

بچے کی نماز نفل ہونے کی وجہ سے "ضعیف" ہے، اور بالغ کی نماز فرض ہونے کی وجہ سے "قوی" ہے، لہذا ضعیف قوی کی متضمن نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ مقیم کی اقتداء مسافر کے پیچھے درست نہیں ۔

پانچویں وجہ : یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے جس میں بچے کو مرفوع القلم کہا ہے حدیث ملاحظہ کیجئے : "**رفع القلم عن ثلاثة عن المجنون المغلوب على عقله وعن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يحتلم** "۔[2]

"تین قسم کے لوگوں پر قانون لاگو نہیں ہوتا مجنوں جس کی عقل پر غصہ غالب ہو، سونے والا جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے۔"

مذکورہ روایت سے واضح ہوتا ہے کہ بچہ مرفوع القلم ہے جبکہ اس کے برعکس بالغ

---

[1] : أخرجه أبو داؤد في سننه، كِتَابِ الْحُدُودِ ، بَابٌ : فِي الْمَجْنُونِ يَسْرِقُ أَوْ يُصِيبُ حَدًّا ، رقم الجزء : ٤ ، رقم الصفحة : ١٤١ ، رقم الحديث : ٤٤٠١ ۔

والترمذي في سننه، أَبْوَابُ الْحُدُودِ ، بَابٌ : مَا جَاءَ فِيمَنْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ ، رقم الجزء : ٣ رقم الصفحة: ٩٣ ، رقم الحديث: ١٤٢٣۔

وإبن حبان في صحيحه ، رقم الجزء : ١ ، رقم الصفحة : ٣٥٥ ، رقم الحديث ١٤٢ ۔

والبيهقي في سنن الكبرى ، ج: ٣ ، ص: ٨٣ ، رقم الحديث: ٤٨٦٨ ۔

وإبن أبي شيبة في مصنفه ، ما قالوا؛ في الرجل يطلق في المنام ، رقم الحديث :١٩٥٩١۔

ونسائي في سنن الكبرى، رقم الجزء : ٤ ، رقم الصفحة : ٣٢٣ ، رقم الحديث ٧٣٤٣ ۔

وابن ماجه في سننه ، رقم الجزء : ٣ ،ص: ٤٤٢ ، رقم الحديث: ٢٠٤١۔

والحاكم في المستدرك ، ج: ٢ ، ص: ٦٨ ، رقم الحديث: ٢٣٥١ ۔

وابن خزيمة في الصحيحه ، ج: ٤ ، ص: ٣٤٨ ، رقم الحديث: ٣٠٤٨ ۔

[2] : "سنن أبي داود: رقم الحديث ٥١٧۔

شخص مکلف سمجھا جاتا ہے نماز کے سیکنڑوں ایسے مسائل اور احکامات جسے سمجھنا اور واقف ہونا بالغ کے لئے ضروری ہے بچہ اس سے ناواقف ہوتا ہے لہذا مکلف کی اقتداء مرفوع القلم کے پیچھے درست نہیں۔

چھٹی وجہ : دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین وغیرہ بچے کی امامت کی جواز کے قائل نہ تھے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "لا يؤم الغلام حتى تجب عليه الحدود"۔[1] اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں : "نهانا أمير المؤمنين عمر أن تؤم الناس في المصحف ونهانا أن يؤمنا إلا المحتلم"۔[2]

اس طرح ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ بچے کی امامت کو مکروہ سمجھتے[3] تھے

نیز امام مجاہد، عطاء اور شعبی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بھی بچے کی امامت کے جواز کے قائل نہ تھے[4] خلاصہ یہ کہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر اہل علم کا قول یہ ہے کہ فرض نمازوں میں بچے کی امامت درست نہیں ہے۔

---

[1]: نيل الاوطار: ج:٣،ص: ١٩٧، **الناشر: دار الحديث، مصر۔**

[2]: كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال: رقم الحديث: ٢٢٨٣٧

[3]: عن إبراهيم أنه كره أن يؤم الغلام حتى يحتلم "۔ "مصنف عبد الرزاق: ج٢،ص٣٩٨۔

[4]: عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: لَا يَؤُمُّ غُلَامٌ حَتَّى يَحْتَلِمَ۔ "مصنف ابن ابی شیبه: رقم الحديث٣٥٢٦۔

عن عطاء قال لا يؤم الغلام الذي لم يحتلم۔ "مصنف عبد الرزاق: ج٢،ص٣٩٨۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: لَا يَؤُمُّ الْغُلَامُ حَتَّى يَحْتَلِمَ۔ "مصنف ابن ابی شیبه: رقم الحديث٣٥٢٥۔

"قَالَ سُفْيَانُ: لَا يَؤُمّ الْغُلَام القوم حَتَّى يحتلم "۔ "إختلاف الفقهاء" ص: ١٢٣، ط: أضواء السلف الرياض۔

مسئلہ وضع الیدین تحت السرۃ

اعتراض نمبر ۱۵ : بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں قیام کے دوران ہاتھ صرف سینہ پر باندھنا سنت ہے، جبکہ اسے فوق السرۃ اور تحت السرۃ باندھنا سنت نہیں ہے اور دلائل میں صحیح ابن خزیمۃ کی ایک روایت روایت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ، مسند احمد میں درج قبیصہ بن ہلب الطائی کی روایت اور طاؤس کی ایک مرسل روایت سے سے استدلال کر کرتے ہیں، روایت ملاحظہ ہو

روایت وائل بن حجر: "....عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال: صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ"۔(۱)

روایت قبیصہ بن ہلب الطائی : " .....رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ، وَرَأَيْتُهُ ، قَالَ يَضَعُ هَذِهِ عَلَى صَدْرِهِ ؛ وَصَفَ يَحْيَى الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى، فَوْقَ الْمفصل"۔(۲)

روایت طاؤس : "..... كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى، ثُمَّ يَشُدُّ بَيْنَهُمَا عَلَى صَدْرِهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ"۔(۳)

---

[1]: "صحیح ابن خزیمۃ، کتاب الصلاۃ، باب وضع الیمین علی الشمال في الصلاۃ قبل افتتاح القراءۃ، ص: ۱۱۶، مکتبہ: المکتبۃ الأعظمي ریاض۔

[2]: أخرجه أحمد فی مسنده، مُسْنَدُ الْأَنْصَارِ، حَدِيثُ هُلْبٍ الطَّائِيِّ، رقم الجزء: ۳۶، الصفحة: ۲۹۷، رقم الحديث: ۲۱۹۶۷۔

[3]: "سنن أبي داود، كِتَاب الصَّلَاةِ، أَبْوَابُ تَفْرِيعِ اسْتِفْتَاحِ الصَّلَاةِ، بَابٌ: وَضْعُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ، رقم الجزء: ۱، رقم الحديث: ۷۵۹۔

جواب : واضح رہے کہ آئمہ مجتہدین میں سے کوئی بھی نماز میں قیام کے دوران سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے کے قائل نہیں ہے امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت تحت السرۃ جبکہ اصح روایت ارسال کی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ناف کے اوپر اور سینہ کے نیچے ہاتھ رکھنے کے قائل ہیں انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"**ثم انه وقع عند ابن خزيمة في حديث وائل لفظ "على الصدر" أيضا وهو معلول عندي قطعا، لأنه لم يعمل به احد من السلف ولا ذهب اليه احد من الائمة**"۔[1]

سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق پورے ذخیرہ احادیث میں ایک حدیث بھی سند صحیح کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے ۔

روایت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حقیقیت : وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت متعدد وجوہ سے انتہائی ضعیف ہے اگر چہ بعض لوگوں نے اس کے اسناد کو **صحيح على شرط مسلم** کہا ہے۔

پہلا وجہ: مذکورہ روایت کی سند میں "**مؤمل بن إسماعيل**" ضعیف راوی ہے، علامہ شمس الدین ذہبی، علامہ حافظ مزی، علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر جلیل القدر آئمہ جرح وتعدیل نے اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جرح نقل کی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تضعیف کی ہے اور اسے "**منكر الحديث**" کہا[2] ہے۔

---

[1]: "فيض الباری علی صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۲٦٦، مكتبه: اشرفيه۔

[2]: "ميزان الاعتدال للعلامة شمس الدين الذهبي المتوفى ۷٤۸ھ، ج: ٦، ص: ۵۷۱، رقم الترجمة: ۸۹۵٦'مكتبه: رحمانيه۔

"سير أعلام النبلاء للعلامة شمس الدين الذهبي المتوفى ۷٤۸ھ، ج: ۷، ص: ۲٤٤، رقم

الترجمة: ۱۵٤۷۔

"تاریخ الإسلام للعلامة شمس الدین الذهبی المتوفی ۷٤۸ھ، ج:۱٤، ص: ۲۲٤۔

"المغنی فی الضعفاء للعلامة شمس الدین الذهبی المتوفی ۷٤۸ھ، ج: ۲، ص: ٦۸۹، رقم الترجمة: ٦٥٤۷۔

"ذکر اسماء من تکلم فیه وهو موثق للعلامة شمس الدین الذهبی المتوفی ۷٤۸ھ، ج:۱، ص: ۱۸۳، رقم الترجمة: ۳٤۷۔

"تهذیب الکمال للإمام الحافظ المزي المتوفی ۷٤۲ھ، ج: ۱۰، ص: ۲۱۱، رقم الترجمة: ٦۹٥۳۔

"تهذیب التهذیب لابن حجر العسقلاني المتوفی ۸٥۲ھ، ج: ۷، ص: ۲٦۰، رقم الترجمة: ۷۲۰۳۔

"لسان المیزان لابن حجر العسقلاني المتوفی ۸٥۲ھ، ج: ٦، ص: ٥۷۱، رقم الترجمة: ۸۹٥٦ ،مکتبه: رحمانیه۔

"فیض القدیر للإمام المناوي المتوفی ۱۰۳۱ھ، ج: ٥، ص: ۱۷۹، رقم الحدیث: ٦۸٦۱۔

"معاني الأخبار شرح أسامي رجال معاني الاثار لبدر الدین العینی المتوفی ۸٥٥ھ، ج: ۳، ص: ۹۹۔

"تحفة الأحوذي للمبارکفوری المتوفی ۱۳٥۳ھ، ج: ۲، ص: ۳۸۷، رقم: ٤۱٥۱۔

"إتحاف الجماعة بما جاء في الفتن والملاحم وإشراط الساعة للإمام حمود بن عبد الله التویجري المتوفی ۱٤۱۳، ج: ۱، ص: ـ۲۰٤

"الأحادیث الواردة فی البیوع المنهي عنها، ج: ۱، ص: ۱٤۳، مؤلف سلیمان بن صالح الشیباني، ناشر: عمادة البحث العلمي بجامعة الإسلامیة المدینة المنورة، طبع: ۱٤۲۳ھ۔

"النکت علی مقدمة إبن صلاح للزرکشي المتوفی ۷۹٤ھ، ج: ۲، ص: ۲۹۷، رقم: ۲۲۷۔

"تفسیر إبن ابی حاتم محققا، ج: ۱۳، ص: ۸۹۲، المتوفی: ۳۲۷ھ محقق اسعد محمد طیب۔

"تفسیر معالم التنزیل للبغوی، ج: ٤، ص: ۱۸۰، المتوفی ٥۱۰، محقق: عبد الرزاق المهدی، ناشر: احیا التراث بیروت۔

"خلاصة تذهیب تهذیب الکمال، ج: ۱، ص: ۳۹۳، المولف: احمد بن عبد الله بن ابی الخیر بن عبد العلیم الخزرجي الانصاری الیمنی، المتوفی بعد ۹۲۳ھ۔

البانی نے علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں : "قلت : مؤمل ضعفه البخاري وغيره"۔[1]

سوال : مؤمل بن اسماعیل پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ جرح (یعنی اسے منکر الحدیث کہنا) اس کی کتاب "تاریخ کبیر" میں موجود نہیں ہیں، اس لئے مؤمل بن اسماعیل کو منکر الحدیث کہنا درست نہیں ہے۔

جواب : پہلی بات یہ ہیں کہ مذکورہ بالا کتب کثیرہ سے واضح ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مؤمل بن اسماعیل کو "منکر الحدیث" کہا ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اسے منکر الحدیث کہنا ثابت نہیں ہے ان سے سوال یہ ہے کہ کیا مذکورہ بالا جلیل القدر آئمہ محدثین نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر جھوٹ باندھا ہے؟اور ان تمام آئمہ جرح وتعدیل نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ قول کو بلا تحقیق نقل کیا ہے ؟

دوسری بات یہ ہیں کہ مؤمل بن اسماعیل پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ جرح نہ صرف مذکورہ آئمہ جرح وتعدیل نے نقل کیا ہے بلکہ البانی، مبارکپوری اور شعیب الارناؤوط وغیرہ نے بھی مؤمل پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ جرح نقل کیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا مذکورہ حضرات نے بھی تقلید جامد سے کام لیا ہے ؟ اور کیا انہوں نے بلا تحقیق مؤمل پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ جرح نقل کی ؟ البانی طبرانی کی

"التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل ، مؤلف :عبد الرحمن اليماني المتوفى ١٣٨٦ھ ، ج: ٢ ، ص: ٧٢٢ ، رقم : ٢٥٣ ، تخريجات وتعليقات: محمد ناصر الدين الألباني، وزهير الشاويش ، عبد الرزاق حمزة۔

"صحيح إبن حبان محققا، ج: ٢ ، ص: ٢٣ ، رقم الحديث ٣١٩ ، محقق : شعيب الأرناؤوط۔

"سلسلة الأحاديث الضعيفة ، ج: ٢ ، ص: ٢٩٣ ، رقم الحديث : ٨٩٠۔

[1]: "سلسلة الأحاديث الضعيفة ، ج: ١٣ ، ص: ٦٧٨ ، رقم ٦٣٠٩۔

ایک روایت (من قرأ آیة الکرسي في دبر الصلاة...) کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں : "رواه الطبراني بإسناد حسن". کذا قال تقلیدا منه للمنذري والهیثمي وتبعهم المعلق علی "الزاد" ۱/ ۳۰٤ وقال الحافظ فی نتائج الأفکار : حدیث غریب وفی سنده ضعف"۔[1] نیز سلسلة الأحادیث الضعیفة ۱٤ / ۸۸۲ میں لکھتے ہیں :"(تنبیه) ذکرت في صدر هذا التخریج الطبراني في جملة من أخرج الحدیث ....وصرح بذلك الهیثمي تقلیدا منه للمنذري......"۔[2]

اسی طرح سلسلة الأحادیث الصحیحة ٦ / ۷٦۳ میں غماری کا ایک روایت کی تصحیح کرنے پر رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:"ومن الأحادیث التی صححها هذا الغماري ...... وإنما ارید أن ألفت نظر القراء إلی أمرین هامین : الأول : أن الغماري لم یبین صحة الحدیث........وإنما اقتصر علی تقلید الدارقطني فی قوله : إسناده صحیح ، وقد بینت هناك ان فیه مجهول الحال"۔[3]

البانی کے مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ روایت پر حکم لگانے میں علامہ منذری اور علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہما کی تقلید کی ہے اور یہ کہ غامری نے بھی روایت کی صحت کے بارے میں امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنے پر اکتفاء کرتے ہوئے اس کی سند کو صحیح کہا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب البانی نے خود مؤمل بن إسماعیل کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا جرح ("منکر الحدیث") اس کی کتاب (تاریخ کبیر) سے نقل کیا تو کیا اس میں اس نے خود علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر

---

[1]: "تمام المنة في تعلیق علی فقه السنة ،ج:۱،ص: ۲۲۷ ، ناشر : دار الرایة۔

[2]: "سلسلة الأحادیث الضعیفة ۱٤/ ۸۸۲۔

[3]: "سلسلة الأحادیث الصحیحة ج: ٦ ،ص: ۷٦۳ ۔

آئمہ جرح وتعدیل کی تقلید کی ہے یا خود مؤمل بن اِسماعیل کے بارے میں مذکورہ جرح کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کتاب سے نقل کیا ہے ؟

اب اگر اس نے ائمہ جرح وتعدیل سے مؤمل کے بارے میں مذکورہ جرح کو نقل کیا ہے تو اس نے خود تقلید کیا ہے، اور اگر اسے واقعی طور پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کتاب سے نقل کیا ہے تو پھر واضح بات یہ ہے کہ مذکورہ جرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں موجود ہے اس لئے اس نے نقل کیا۔

تیسری بات یہ ہیں کہ اگر بالفرض مؤمل پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ جرح ثابت نہ بھی ہوجائے تو پھر بھی مؤمل ضعیف راوی ہے کیونکہ جرح وتعدیل کے جلیل القدر آئمہ محدثین نے اسے "سئ الحفظ ، في حديثه خطأ كثير ، يهم في الشئ، كثير الخطأ" کہا ہے، اس لئے مومل بن اسماعیل ضعیف ہے ۔

دوسری وجہ : مؤمل بن اِسماعیل سیئ الحفظ ہے چنانچہ اس بارے میں علماء کے اقوال ملاحظہ کیجیے :

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن نصر المروزی رحمۃ اللہ علیہ سے مؤمل کے بارے میں نقل فرماتے ہیں : "كان سيئ الحفظ ، كثير الغلط"۔[1]

البانی صحیح ابن خزیمۃ کی ایک روایت (قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ذات ليلة شيئا...) کی تعلیق میں لکھتے ہیں :"إسناده ضعيف مؤمل صدوق سيئ الحفظ وإن شئت التفصيل ففي الضعيفة ٣٩٩٥"۔[2] سلسلة الأحاديث الضعيفة میں لکھتے

---

[1]: تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني المتوفى ٧٧٣ھ ، ج: ٧ ، ص: ٢٦٠ ، مكتبه : دار الحديث القاهرة۔

[2]: صحيح إبن خزيمة محققا ، ج: ٢ ، ص: ١٧٧ ، رقم الحديث : ١١٣٦ ، رقم التعليق :

ہیں : وقد اعترف كل من ترجم له حتى الذهبي بأنه سئ الحفظ "۔[1] دوسری جگہ لکھتے ہیں :"قلت وهذا إسناد ضعيف مؤمل سيئ الحفظ كما في التقريب "۔[2]

نیز شعیب الأرناؤوط ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :"إسناده ضعيف لسوء مؤمل بن إسماعيل "۔[3] دوسری جگہ میں تحریر فرماتے ہیں: "إسناده ضعيف، مؤمل بن إسماعيل سئ الحفظ "۔[4]

اسی طرح صحیح ابن حبان کی ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں : "إسناده ضعيف مؤمل بن إسماعيل سئ الحفظ باقي رجاله ثقات رجال الشيخين غير ابي الاحوص وهو عوف بن ملك فيمن رجال مسلم "۔[5]

اکرم بن محمد الفالوجی مؤمل بن اِسماعیل کے بارے میں تحریرفرماتے ہیں :"مؤمل بن إسماعيل صدوق سئ الحفظ"۔[6]

١١٣٦۔

[1]: سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني، ج: ١٢، ص: ٥٧، رقم: ٥٥٣٦۔

[2]: "سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني، ج: ٧، ص: ٣٥٠، رقم الحديث: ٣٣٣٦۔

[3]: "مسند أحمد محققا، ج: ٢١، ص: ١٧١، رقم الحديث: ١٣٥٣٧ مكتبه: مؤسسة الرسالة۔

[4]: "مسند أحمد محققا، ج: ٢١، ص: ١٧٤، ، رقم الحديث: ١٣٥٤١ مكتبه: مؤسسة الرسالة۔

[5]: "صحيح إبن حبان، مخرجا، ج: ٣، ص: ٣٨۔

[6]: " الكنى والأسماء، محققا، ص: ٢٣٠، ناشر: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية المدينة المنورة۔

"معجم شيوخ الطبرى، ج: ١، ص: ٧٠٤، ناشر: الدار الأثرية الأردن، دار ابن عفان

محمد حیات سندی المتوفی تحریر فرماتے ہیں :"قال البیقھی ورواہ أیضا مؤمل بن إسماعیل عن الثوری... علی صدرہ ،قلت : فمؤمل صدوق سئ الحفظ کما فی التقریب"۔[۱]

صحیح ابن حبان کے محقق شعیب الأرناؤوط صحیح إبن حبان کی ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :"مؤمل بن إسماعیل وصفه البخاري وغیره بکثرة الخطأ ، وقال محمد بن نصر المروزي : المؤمل إذا انفرد بحدیث وجب ان یتوقف ویتثبت فیه لأنه کان سيئ الحفظ کثیر الغلط وباقی رجاله ثقات "۔[۲] نیز جلد ۲ صفحہ ۱۳۰ پر تحریر فرماتے ہیں:"إسناده ضعیف مؤمل بن إسماعیل سئ الحفظ "۔[۳] اسی طرح جلد ۳ صفحہ ۱۱۰ پر تحریر فرماتے ہیں:"مؤمل بن إسماعیل سئ الحفظ وباقی رجاله ثقات"۔[٤]

ابو حاتم نے اسے کثیر الخطأ کہا[٥] ہے۔ ابوزرعہ فرماتے ہیں: "فی حدیثه خطأ

القاھرة۔

[۱]: "فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور لمحمد حیات السندھی المتوفی ۱۱۶۳ھ، ج:۱، ص: ٤٣۔

[۲]: "صحیح إبن حبان محققا، ج: ۲، ص: ۲۳، رقم الحدیث ۳۱۹، تحقیق : شعیب الأرناؤوط۔

[۳]: "صحیح إبن حبان محققا، ج: ۲، ص: ۱۳۰، رقم الحدیث : ٤۰۳، تحقیق : شعیب الأرناؤوط۔

[٤]: "صحیح إبن حبان محققا، ج: ۳، ص: ۱۱۰، رقم الحدیث :۸۲۸، تحقیق : شعیب الأرناؤوط۔

[٥]: سیر أعلام النبلاء للعلامة شمس الدین الذھبی المتوفی ۷٤۸ھ، ج: ۷، ص: ۲٤٤، رقم

کثیر"۔[1]

الساجي : "صدوق، كثير الخطأ وله أوهام يطول ذكرها"۔[2]

امام ذہبی لکھتے ہیں : "قال ابو عبيد الاجرى : سألت ابا داود عن مؤمل بن

الترجمة: ١٥٤٧۔

ميزان الاعتدال للعلامة شمس الدين الذهبى المتوفى ٧٤٨ھ، ج: ٦، ص: ٥٧١، رقم الترجمة: ٨٩٥٦۔

تهذيب الكمال للإمام الحافظ المزي المتوفى ٧٤٢، ج: ١٠، ٢١١، رقم الترجمة: ٦٩٥٣۔

المستفاد من ذيل تاريخ بغداد للحافظ إبن نجار البغدادي المتوفى ٤٦٣ھ، ج: ٢٢، ص: ١٠٧، مكتبه: كتب علمية بيروت لبنان۔

الكاشف للعلامة شمس الدين الذهبى المتوفى ٧٤٨ھ، ج: ٢، ص: ٣٠٩، رقم الترجمة: ٥٧٤٧۔

النكت على مقدمة إبن صلاح للزركشي المتوفى ٧٩٤ھ، ج: ٢، ص: ٢٩٧، رقم: ٢٢٧۔

الأحاديث الواردة في البيوع المنهي عنها، ج: ١، ص: ١٤٣۔

قال ابو حاتم: نا عبد الرحمن قال: سألت أبي عن مؤمل بن إسماعيل،

فقال: "صدوق، شديد في السنة كثير الخطأ"۔

"الجرح والتعديل لابن أبي حاتم المتوفى ٣٢٨ھ، ج: ٨، ص: ٤٢٨، رقم الترجمة: ١٥٠١٦۔

[1]: ميزان الاعتدال للعلامة شمس الدين الذهبى المتوفى ٧٤٨ھ، ج: ٦، ص: ٥٧١، رقم الترجمة: ٨٩٥٦۔

المغنى في الضعفاء للعلامة شمس الدين الذهبى المتوفى ٧٤٨ھ، ج: ٢، ص: ٦٨٩، رقم الترجمة: ٦٥٤٧۔

سلسلة الأحاديث الضعيفة، ج: ٢، ص: ٢٩٣، رقم: ٧٩٠۔

سلسلة الأحاديث الضعيفة، ج: ١٢، ص: ٥٧، رقم: ٥٥٣٧۔

[2]: "تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني المتوفى ٨٥٢ھ، ج: ٧، ص: ٢٥٩، رقم الترجمة: ٨٢٠٣۔

إسماعيل ، فغظمه ورفع من شانه إلا أنه يهم في الشئ"۔[1]

اسی طرح تحریر فرماتے ہیں :"وأما ابو داود فاثني عليه وعظمه ، ورفع من شانه ثم قال : إلا أنه يهم في الشئ"۔[2]

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ طبقات الکبری میں تحریر فرماتے ہیں:"مؤمل بن إسماعيل ثقة كثير الغلط"۔[3]

تفسیر ابن ابی حاتم کے محقق اسد محمد طیب تحریر فرماتے ہیں:"مؤمل ثقة كثير الخطأ ، وقد وثقه ابن معين وغيره وضعفه البخاري وغيره"۔[4]

تفسیر معالم التنزیل کے محقق عبد الرزاق المهدی تحریر فرماتے ہیں :"....و إسناده ضعيف فيه مؤمل بن إسماعيل وثقه قوم وضعفه اخرون وقال

---

[1]: سير أعلام النبلاء للعلامة شمس الدين الذهبي المتوفى ۷۴۸ھ، ج: ۷، ص: ۲۴۴، رقم الترجمة: ۱۵۴۷۔

تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني المتوفى ۸۵۲ھ، ج: ۷، ص: ۲۵۹۔

تهذيب الكمال للإمام الحافظ المزي المتوفى ۷۴۲ھ، ج: ۱۰، ۲۱۱، رقم الترجمة: ۲۹۵۳۔

[2]: سير أعلام النبلاء للعلامة شمس الدين الذهبي المتوفى ۷۴۸ھ، ج: ۷، ص: ۲۴۴، رقم الترجمة: ۱۵۴۷، مكتبه: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

[3]: سير أعلام النبلاء للعلامة شمس الدين الذهبي المتوفى ۷۴۸ھ، ج: ۷، ص: ۲۴۴، رقم الترجمة: ۱۵۴۷، مكتبه: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

[4]: "تفسير ابن أبي حاتم محققا، ج: ۱۳، ص: ۸۹۲، ناشر: مكتبة نزار المملكة العربية۔

البخاري: منكر الحديث"۔[1]

علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو ذرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے: في حديثه خطأ كثير"۔[2]

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وقال يعقوب بن سفيان مؤمل أبو عبد الرحمن ......وقد يجب على أهل العلم أن يقفوا عن حديثه فإنه يروي المناكير عن ثقات شيوخه وهذا أشد فلو كانت هذه المناكير عن الضعفاء لكنا نجعل له عذرا"۔[3]

سوال: مؤمل بن اسماعیل جب سفیان کے علاوہ کسی دوسرے راوی سے نقل کرے تو اس کی روایت غیر صحیح ہوگا لیکن جب سفیان سے نقل کرے تو اس کی روایت وہ صحیح ہوگی، چونکہ اس نے مذکورہ روایت کو سفیان سے نقل کیا ہے اس لئے یہ روایت صحیح ہے۔

جواب: مؤمل بن اسماعیل ضعیف راوی ہے چاہے اس کا روایت سفیان سے ہو یا کسی دوسرے سے دونوں صورتوں میں ضعیف ہوگی۔ صحیح ابن خزیمہ کی روایت (أربع قبل الظهر لا يسلم....") جسے مؤمل بن اسماعیل ہے کے بارے میں اعظمی

---

[1]: "معالم التنزيل للبغوي، ج: ٤، ص: ١٨٠، مكتبة: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان۔

[2]: "ميزان الاعتدال للعلامة شمس الدين الذهبي المتوفى ٧٤٨ھ، ج: ٦، ص: ٥٧١، رقم الترجمة: ٨٩٥٦' مكتبه: رحمانيه

[3]: "تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني المتوفى ٨٥٢ھ، ج: ٧، ص: ٢٦٠، رقم الترجمة: ٧٢٠٣۔

تحریر فرماتے ہیں :"**إسناده ضعيف**"۔[1]

مسند ابی یعلی کی ایک روایت جسے مؤمل نے سفیان سے نقل کیاہے کے بارے میں حسین سلیم اسد تحریر فرماتے ہیں :"**إسناده ضعيف**"۔[2]

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کی سند کے بارے میں یہ کہنا کہ "سنده صحيح" ،"صحيح على شرط مسلم" کہنا درست نہیں ہے،کیونکہ مؤمل بن إسماعیل شیخین کے رجال میں سے نہیں، اگر چہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں دو جگہ (كِتَابٌ : الصُّلْحُ ، بَابُ الصُّلْحِ مَعَ الْمُشْرِكِينَ اور كِتَابُ الْفِتَنِ ، بَابٌ : إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا) متابعات میں اس کا تذکرہ کیا ہے، لیکن کسی راوی کا صحیحین میں متابعات اور شواہد میں ذکر ہونا اس کی روایت کی صحت کے لئے کافی نہیں...۔

بلکہ صحیحین کے متابعات اور شواہد میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی موجود ہے جو ضعیف ہیں،جیسا کہ ابن صلاح تحریر فرماتے ہیں : "ثم اعلم انه قد يدخل في باب المتابعة والاستشهاد رواية من لا يحتج بحديثه وحده، بل يكون معدودا في الضعفاء ذكراهم في المتابعات والشواهد"۔[3]

محمد بن موسی القاہر تحریر فرماتے ہیں:"وفي كتابي البخاري ومسلم جماعة من الضعفاء ذكراهم في المتابعات والشواهد"۔[4]

---

[1]:"صحيح ابن خزيمه، ج:۲، ص:۲۲۱ ، رقم الحديث : ۱۲۱۵ ، رقم التعليق : ۱۲۱۵ ، مكتبه: مكتبة الأعظمي رياض۔

[2]:"مسند أبي يعلى محققا، ج: ٤، ص: ۷۸ ، رقم الحديث : ۲۱۰۲۔

[3]:"معرفة أنواع علوم الحديث، ج:۱ ، ص: ١٧٤۔

[4]:"الشذ الفياح من علوم إبن صلاح ، ج: ص: ۱۹۰۔

نیز ابن ملقن رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"ثم اعلم انه يدخل فى المتابعة والاستشهاد رواية من لا يحتج بحديثه وحده بل يكون معدودا فى الضعفاء ...وفى الصحيحين جماعة من الضعفاء "۔[1]

اسی طرح "توجیہ النظر " کے مولف تحریر فرماتے ہیں:"وقد قال الخطيب البغدادي وغيره ما احتج البخاري ومسلم وابو داود به من جماعة علم الطعن فيهم من غيرهم محمول على أنه لم يثبت فيهم الطعن المؤثر مفسر السبب۔الثاني : أن يكون ذلك واقعا فى المتابعات والشواهد لا فى الاصول وذلك بأن يذكر الحديث أولا باسناد رجاله ثقات ويجعله أصلا ثم يتبعه باسناد آخر او أسانيد فيها بعض الضعفاء على وجه التأكيد بالمتابعة "۔[2]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"الرابعة، قال إبن صلاح : قد عيب على مسلم روايته فى صحيحه عن جماعة من الضعفاء والمتوسطين الذين ليسوا من شرط الصحيح ، وجوابه من وجوه :أحدهما : أن ذلك هو ضعيف عن غيره ثقة عنده .الثاني : ان ذلك واقع في المتابعات والشواهد لا فى الاصول "۔[3]

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"الإجابة عن إخراج مسلم حديث بعض الضعفاء واما ما عيب به على مسلم من إخراجه عن ضعفاء ومتوسطين ليسوا من شرط الصحيح، فاجيب عنه ا بان ذلك فيمن ضعيف عند غيره

---

[1]: "المقنع فى علوم الحديث لابن ملقن الشافعي المصري المتوفى ۸۰٤ھ، ج:۱، ص: ۱۸۸-۱۸۹۔

[2]: "توجيه النظر إلى اصول الأثر، ج:۲، ص: ۵۵۰۔

[3]: "تدريب الراوى شرح تقريب النواوي للإمام السيوطي المتوفى ۹۱۱ھ، ج:۱، ص: ۱۰۳۔

ثقة عنده. ٢ وبانه وقع في المتابعات والشواهد لا فى الاصول"۔[1]

محمد بن سلیمان بن سعد الرومی تحریر فرماتے ہیں:"قال سعيد بن عمر البردعى أن أبا زرعة الرازى أنكر على مسلم إخراجه في صحيحه عن اسباط بن نضر واحمد بن عيسى المصري وغيرهما، وقال هذا فتح باب لأهل البدع فإنهم ينقلون عن هؤلاء الجماعة أحاديث لا اصل لها ويتمسكون بأنهم ثقات حيث أخرج عنهم فى صحيح، قال سعيد فلما رجعت إلى نيسابور ذكرت ذلك لمسلم فقال : ما أخرجت عن هؤلاء القوم فى الاصول شيئا وإنما أخرجت فيها من رواية الثقات وإنما حدثت عن هؤلاء متابعة"۔[2]

البانی "سلسلة الأحاديث الضعيفة" میں تحریر فرماتےہیں:"لان السند ليس على شرط مسلم لان مؤملا ليس من رجاله ولا هو صحيح لان مؤملا سيئ الحفظ كما فى التقريب"۔[3]

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شیخین کا کسی ضعیف راوی سے متابعات یا شواہد میں روایت نقل کرنا ہر گز اس بات کی دلیل نہیں کہ مذکورہ راوی کی روایت سے استدلال درست ہوگی اس لئے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو صحيح على شرط مسلم کہنا درست نہیں ہے۔

سوال : مذکورہ روایت کو چونکہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے،

---

[1]: "اليواقيت والدرر شرح نخبة الفكر، ج:١، ص: ٣٨٥۔

[2]: "المختصر فى علوم الأثر، لمحمد بن سليمان بن سعد الرومي المتوفى ٨٧٩ھ، ج:١، ص: ١٦٢۔

[3]: "سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، ج:٢، ص: ٢٤٣، رقم الحديث: ٦٤٢۔

اس لئے مذکورہ روایت صحیح ہے کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں صرف صحیح روایات ہی نقل کئے ہیں۔

جواب: صحیح ابن خزیمہ کے سارے مرویات صحیح نہیں بلکہ اس میں ضعیف اور منقطع روایات بھی پائے جاتے ہیں، البانی صحیح ابن خزیمہ کی ایک روایت (قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة شيئا...) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "إسناده ضعيف مؤمل صدوق سيئ الحفظ وإن شئت التفصيل ففي الضعيفة ٣٩٩٥"۔أما بعد أن عرف إسناد الحديث، وأنه تفرد به عبد الله بن عميرة، وتفرد سماك بالرواية عنه، وقول الحربي فيه: لا أعرفه، وإشارة مسلم إلى جهالته، وتصريح الذهبي بذلك كما سبق، فلا يفيد بعد الاطلاع على هذا أن ابن خزيمة أخرجه، لا سيما وهو معروف عند أهل المعرفة بهذا الفن أنه متساهل في التصحيح، على نحو تساهل تلميذه ابن حبان، الذي عرف عنه الإكثار من توثيق المجهولين ثم التخريج لأحاديثهم في كتابه "الصحيح"! ولعله تأسى بشيخه في ذلك، غير أنه أخطأ في ذلك أكثر منه. وقد يكون من المفيد أن نذكر أمثلة أخرى من الأحاديث الضعيفة التي وردت في "كتاب التوحيد" لابن خزيمة مع بيان علتها، ليكون القارىء على بينة مما ذكرنا من تساهل ابن خزيمة رحمه الله تعالى. الحديث الأول:

١٢٤٨ "إن الله تبارك وتعالى قرأ (طه) و(يس) قبل أن يخلق آدم بألفي عام، فلما سمعت الملائكة القرآن قالوا: طوبى لأمة ينزل هذا عليهم، وطوبى لألسن تتكلم بهذا، وطوبى لأجواف تحمل هذا "منكر أخرجه الدارمي (٢/٤٥٦) وابن خزيمة في "التوحيد" (١٠٩) وابن حبان في "الضعفاء" (١/١٠٨)

والواحدي في "الوسيط "(٣/١٦/٢) وابن عساكر في "التاريخ" (٢/٣٠٨/٥و٢/٣٠/١٢) عن إبراهيم بن المهاجر بن مسمار قال: حدثنا عمر بن حفص بن ذكوان عن مولى الحرقة (قال ابن خزيمة: وهو عبد الله بن يعقوب ابن العلاء بن عبد الرحمن) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: فذكره. قلت: وهذا متن موضوع كما قال ابن حبان، وإسناده ضعيف جدا، وله علتان: الأولى: إبراهيم، قال الذهبي في "الميزان "وساق له هذا الحديث، "قال البخاري: منكر الحديث. وقال النسائي: ضعيف. وروى عثمان بن سعيد عن يحيى: ليس به بأس قلت: انفرد بهذا الحديث ". قلت: وفي ترجمته أورده ابن حبان وقال: "منكر الحديث جدا ". وقال الحافظ في "التقريب": "ضعيف "!۔[1]

صحیح ابن خزیمہ کی ایک اور روایت (أربع قبل الظهر لا يسلم.....". حدثناه ابو موسی، حدثنا ابو أحمد ثنا شريك عن الأعمش. (ح)وثنا موسى ،نا مؤمل بن إسماعيل ،ثنا سفيان ، عن الأعمش عن المسيب بن رافع ، عن رجل من الأنصار عن أبي ايوب ") کے بارے میں اعظمی تحریر فرماتے ہیں :"إسناده ضعيف "۔[2] علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"وليس واحد منهم لاحقاً بالصحيحين الا فی مجرد التسمية لوجود غير الصحيح فيها"۔[3]

---

[1]: "سلسلة الأحاديث الضعيفة ،ج: ٣، ص: ٤٠٢، ١٢٤٧۔

[2]: "صحیح ابن خزیمه، ج:٢، ص: ٢٢١ ، رقم الحديث : ١٢١٥ ، رقم التعليق : ١٢١٥ ، مکتبه: مكتبة الأعظمي رياض۔

[3]: "اليواقيت والدرر شرح نخبة الفكر ، ج:١، ص: ٣٨٥ ۔

صحیح ابن خزیمہ کی روایت (...ان علي بن أبي طالب أمره أن يسأل رسول الله ﷺ عن الرجل إذا دنا من أهله....".) کے بارے میں اعظمی تحریر فرماتے ہیں :"قال الحافظ فی تلخیص الحبیر (١/ ١١٧) هذه الرواية منقطعة"۔[1]

اسی طرح صحیح ابن خزیمہ کی روایت (.... إن الشيطان ياتی احدكم في صلاته.....".) کے بارے میں اعظمی تحریر فرماتے ہیں :"إسناده ضعيف"۔[2]

تیسری وجہ : مذکورہ روایت کو سفیان نے عاصم بن کلیب سے "عن" کیساتھ نقل کی ہے جبکہ مولوی امین اللہ نے لکھا ہے:"خلاصه دا چه سفیان ثوری مدلس راوی دے ، او د اصول حدیث موافق د مدلس راوی عنعنے والا حدیث ضعیف وی"۔[3]

" سفیان ثوری مدلس راوی ہے اور اصول حدیث کی قاعدے کے مطابق مدلس راوی کی حدیث معنعن ضعیف ہوتی ہے "۔

چوتھی وجہ : عاصم بن کلیب سے مذکورہ روایت کو نقل کرنے والے تقریبا آٹھ ۷ راوی ہیں جن میں سے چار صحیح ابن خزیمہ میں موجود ہیں: عبداللہ بن إدریس(رقم الحديث :٤٧٧)، ابن فضيل (رقم الحديث : ٤٧٨)، سفیان

---

[1]:""صحيح ابن خزيمه، ج:١، ص: ١٥ ، رقم الحديث : ٢١ ، رقم التعليق : ١٢١٥ ، مكتبه: مكتبة الأعظمي رياض۔

[2]:"صحيح ابن خزيمه، ج:١، ص: ١٩، رقم الحديث : ٢٩ ، رقم التعليق : ١٢١٥ ، مكتبه: مكتبة الأعظمي رياض۔

[3]:"الحق الصريح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة باب صفة الصلاة، ج: ٤ ، ص: ٨٦ ، مكتبه: محمديه۔

(رقم الحدیث ٤٨٩: ، زائدہ (رقم الحدیث : ٤٨٠)۔جبکہ تین مسند احمد میں ہیں : عبد الواحد (رقم الحدیث : ١٨٨٥٠) ، زہیر بن معاویہ (رقم الحدیث : ١٨٨٧٦) اور شعبہ (رقم الحدیث :١٨٨٧٧ ، ١٨٨٧٨)۔

سفیان کے علاوہ کسی دوسرے راوی کی روایت میں "علی صدرہ" کے الفاظ موجود نہیں یعنی سفیان نے تفرد کیا ہے۔کیونکہ "علی صدرہ" کے الفاظ صرف سفیان کی روایت میں موجود ہیں، نیز روایت مذکورہ کو سفیان سے نقل کرنے والے راوی دو ۲ ہیں : عبداللہ بن الولید اور مؤمل بن إسماعیل"۔

مؤمل بن إسماعیل کی روایت میں "علی صدرہ "کے الفاظ موجود ہیں جبکہ سفیان سے نقل کرنے والا دوسرے راوی عبد اللہ بن الولید کی روایت میں مذکورہ الفاظ موجود نہیں، ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"فقد روی هذا الحدیث عبد الله بن الولید عن سفیان لم یذکر ذلك، ورواه شعبة، وعبد الواحد لم یذکرا خالفاً، کذا سفیان"۔[1]

یعنی مذکورہ روایت سفیان سے عبداللہ بن ولید نے نقل کی ہے لیکن اس کی روایت[2] میں "علی صدرہ"کے الفاظ موجود نہیں ہیں بخلاف مؤمل کی روایت کے کہ اس میں الفاظ مذکورہ کی زیادت ہے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:"ولم یقل علی صدرہ غیر مؤمل بن إسماعیل"۔[3]

اسی طرح حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ مؤمل بن إسماعیل کے بارے میں محمد بن

---

[1]: " بدائع الفوائد لابن قیم الجوزیة، ج: ٣ ، ص:٩١۔

[2]: " مسند أحمد، رقم: ١٨٨٧١)

[3]: "اعلام المؤقعین لابن قیم الجوزیة، ج: ٢ ، ص: ٤٣٢۔

نصر المروزي کا قول نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :"**المؤمل إذا انفرد بحديث وجب أن يتوقف ويتثبت فيه لأنه كان سيء الحفظ كثير الغلط**"۔[١]

الغرض "علی صدرہ" کے الفاظ صرف مؤمل بن إسماعیل کی روایت میں موجود ہیں نہ کہ کسی دوسرے راوی کی روایت میں یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب ضعیف راوی کسی روایت کو نقل کرنے میں ثقات سے خلاف کرے تو اصول حدیث کی قاعدے کے مطابق اس کی وہ روایت منکر کہلاتا ہے، جبکہ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوئی کہ مؤمل بن إسماعیل ضعیف ہے اور اس نے یہاں ثقات سے خلاف کیاہے اس لئے مذکورہ روایت ضعیف اور منکر ہے ۔

قبیصہ بن ہلب الطائی کی روایت: اس باب میں دوسری روایت روایت قبیصہ بن ہلب الطائی ہے ۔ پہلی بات یہ ہیں کہ اس میں قبیصہ بن ہلب الطائی مجہول ہے جیسا کہ مسند أحمد کے محقق شعیب الأرناؤوط تحریر فرماتے ہیں :"**صحيح لغيره دون قوله: "يضع هذه على صدره" وهذا إسناد ضعيف لجهالة قبيصه بن هلب ....وفي باب وضع اليدين على الصدر في الصلاة عن وائل بن حجر.......باسنادين ضعيفين وعن علي موقوفا عند الطبري........وهو ضعيف لاضطراب سنده ومتنه كما قال إبن التركماني**"۔[٢]

نیز (ج: ٣٦ ، ص: ٣٠٠) پر تحریر فرماتے ہیں :"**قلنا وقول ألباني رحمه الله في صفة الصلاة " وضعهما على الصدر هو الذي ثبت في السنة تعنت لا وجه له**

---

[١]: "تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني المتوفى ٨٥٢ه ، ج: ٧ ، ص: ٢٦٠ ، رقم الترجمة: ٧٢٠٣۔

[٢]: "مسند أحمد ، محققا، ج: ٣٦ ، ص: ٢٩٩ ، رقم: ٢١٩٦٧۔

ففي بدائع الفوائد (۳ / ۹۱) لابن قيم واختلف فی موضع الوضع فعنه (ای عن إمام احمد) فوق السرة وعنه قال ابو طالب سألت احمد.......قال علی السرة او اسفل وكل ذلك واسع عنده ان وضع فوق السرة او عليها او تحتها"۔[1]

اسی طرح (ج:۳٦، ص: ۲۹) پر تحریر فرماتے ہیں: "إسناده ضعيف قبيصه بن هلب تفرد عنه سماك بن حرب وجهله على ابن المديني والنسائي"۔[2]

صحیح ابن حبان کی ایک روایت کی تعلیق میں لکھتے ہیں:"وقال ابن المديني والنسائي مجهول وزاد الاؤل لم يرو عنه غير سماك وترجم له البخاري ۷ /۱۷۷ فلم يذكر فيه جرحا ولا تعديلا"۔[3]

الغرض مذکورہ روایت قبیصہ بن ہلب الطائی کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے اس لئے اس سے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے لئے استدلال درست نہیں ہے۔

سوال :بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابن حبان نے قبیصہ بن ہلب الطائی کو ثقات میں ذکر کیا ہے نیز عجلی نے اسے ثقہ تابعی کہا ہے ۔

جواب : قبیصہ بن ہلب الطائی مجہول ہے ابن حبان کا اسے ثقات میں ذکر کرنا یا عجلی کا اسے تابعی اور ثقہ کہنا اس بات کی دلیل ہر گز نہیں کہ وہ ثقہ ہے کیونکہ ابن حبان بوجہ تساہل ضعیف راوی کو بھی بسا اوقات ثقہ قرار دیتے ہے البانی محمد بن رفاعہ کی ایک روایت (تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس ،فأحب ... ".) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :"قلت: ومحمد بن رفاعة فی عداد المجهولين عندی ،

---

[1]:"مسند أحمد، محققا، ج: ۳٦ ،ص:۳۰۰ ،رقم: ۲۱۹٦۷۔

[2]: مسند أحمد، محققا، ج: ۳٦ ،ص:۲۹۷ ،رقم: ۲۱۹٦۹۔

[3]: صحيح إبن حبان مخرجا، ج: ۵ ،ص: ۳۳۹ ،رقم: ۱۹۹۸۔

فإنه لم یوثقه غیر ابن حبان ، ولم یرو عنه غیر أبي عاصم الضحاك بن مخلد ، فمثله لا تساعد القواعد العلمية على تحسين حديثه بله تصحيحه ، وتوثيق ابن حبان لا يعتد به لتساهله فيه كما نبهنا عليه مرارا"۔[1]

دوسری بات یہ ہیں کہ مذکورہ روایت کی سند میں سماک بن حرب مختلف فیہ راوی ہے اور اس نے اس روایت کو نقل کرنے میں تفرد کیا ہے جبکہ محدثین کے نزدیک جب سماک بن حرب کسی روایت کو نقل کرنے میں تفرد کرے تو اس کی وہ روایت غیر مقبول ہوگی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں: "إذا انفرد بأصل لم يكن حجة"۔

شعیب الأرناؤوط مسند احمد کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :"إسناده ضعيف لانفراد سماك بن حرب برفعه ، وقال النسائي : إذا انفرد بأصل لم يكن حجة ، لأنه كان ربما يلقن فيتلقن، وقال ابن معين : أسند أحاديث لم يسندها غيره ، وقال الدارقطني في "العلل" ٤/ورقة ٧٥ : لم يرفعه غير سماك ، وسماك سيئ الحفظ ، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين"۔[2]

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (میزان الاعتدال میں) تحریر فرماتے ہیں:"عن عائشة اشربوا في الظروف، تفرد عنها سماك بن حرب قال النسائي:هذا غير ثابت ...والحديث عن سماك مضطرب "۔[3] علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا

---

[1]: "إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل للألباني ، ج: ٤ ، ص: ١٠٤ ، رقم الحديث : ٩٤٩۔

[2]: " حاشية مسند أحمد ، ج: ٨ ، ص: ٤٨٩ ، رقم : ٤٨٨٣ ، مكتبه : مؤسسة الرسالة۔

[3]: "ميزان الاعتدال للعلامة شمس الدين الذهبي المتوفى ٧٤٨ھ، ج: ٧ ، ص: ٤٨٣ ، رقم

قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :" سماك بن حرب ضعيف "۔[1] آگے تحریر فرماتے ہیں :"ثنا علان ، ثنا إبن أبي مريم قال : سمعت يحي يقول : سماك بن حرب ثقة، وكان شعبة يضعفه "۔[2]

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ ابو طالب احمد بن حمید کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :"قلت : لأحمد بن حنبل : سماك بن حرب مضطرب الحديث، فقال : نعم"۔[3] آگے تحریر فرماتے ہیں :"حدثنا عبد الرحمن، أنا أبو بكر بن أبي خيثمة ، فيما كتب إلى، قال : سمعت يحي بن معين يقول، وسئل عن سماك بن حرب، فقال : ثقة فقيل ما الذى عيب عليه، قال : أسند أحاديث لم يسندها غيره"۔[4]

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"وهذان حديثان لا يصحان، فاما الحديث الاول فرواية سماك بن حرب، وهو يقبل التلقين ، شهد عليه بذلك شعبة

المسلسل: ۱۰۹۹۲'مکتبہ: رحمانیہ۔

[1]: "الكامل في ضعفاء الرجال للإمام الحافظ الجرجاني المتوفى ٣٦٥ھ، ج: ٤، ص: ٥٤١، (س)ز)، رقم ١٤٣/ ٨٧٥، مكتبه: دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

[2]: "الكامل في ضعفاء الرجال للإمام الحافظ الجرجاني المتوفى ٣٦٥ھ، ج: ٤، ص: ٥٤١، (س)ز)، رقم ١٤٣/ ٨٧٥، مكتبه: دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

[3]: "الجرح والتعديل لابن أبي حاتم المتوفى ٣٢٨ھ، ج: ٤، ص: ٢٥٧، رقم المسلسل للترجمة: ٦٣٢٢، مكتبه: دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

[4]: "الكامل في ضعفاء الرجال للإمام الحافظ الجرجاني المتوفى ٣٦٥ھ، ج: ٤، ص: ٥٤١، (س)ز)، رقم ١٤٣/ ٨٧٥، مكتبه: دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

وغیرہ، وهذه جرحة ظاهرة"۔[1]

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"....وسماك بن حرب ليس ممن يعتمد عليه إذا انفرد بالحديث لأنه كان يقبل التلقين"۔[2]

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں : "وسماك ليس بالقوي وكان يقبل التلقين "۔[3] "سماک قوی نہیں ہیں اور یہ تلقین کو قبول کرتے تھے"۔

تحفۃ الاشراف کے مولف تحریر فرماتے ہیں :"وسماك إذا انفرد بالاصل لم يكن حجة لانه كان يلقن فيتلقن"۔[4]

یعنی جب سماک اصل روایت کو نقل کرنے میں تفرد کرے تو وہ روایت قابل حجت نہیں ہوگی، یہ بات شمس الحق عظیم آبادی نے بھی کیا ہیں، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں :" وان سماك بن حرب إذا انفرد باصل لم يكن حجة لانه كان يلقن فيتلقن"۔[5]

البانی طبرانی کی ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں : "قلت وهذا إسناد ضعيف سماك بن حرب وان كان من رجال مسلم فقد تكلم فيه الائمة وقال الحافظ فى التقريب : صدوق وروايته عن عكرمة خاصة

---

[1]: "المحلى لابن حزم ، ج:١ ، ص:١٨١ ، مكتبه : مكتبة المعارف للنشر والتوزيع ، رياض۔

[2]: "سنن الكبرى للنسائى ، ج:٣ ، ص:٣٦٨ ، رقم : ٣٢٩٥۔

[3]: "تحفة الاشراف ، ج:٥ ، ص:١٣٨ ، رقم : ٦١٠٤۔

[4]: "سنن الكبرى للنسائى ، ج:٥ ، ص:١٠٥۔

[5]: " عون المعبود شرح سنن أبي داود لشمس الحق عظيم ابادى ، ج:٦ ، ص:٢٣٢ ، رقم : ٢٣٣٨۔۔

مضطربة وقد تغير بآخره وكان ربما يلقن"۔[1]

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:"قلت وهذا إسناد ضعيف، لأن سماكا وإن كان من رجال مسلم ففيه ضعف من قبل حفظه، وخصوصا فی روايته عن عكرمة"۔[2]

آگے تحریر فرماتے ہیں:"قال الحافظ فی التقريب: صدوق، وروايته ...وقد تغير بآخر فكان ربما يلقن"۔[3]

الغرض قبیصہ بن ہلب الطائی سے روایت کرنے والا راوی صرف سماک ہے جبکہ بقول محدثین جب تک کسی راوی سے دو ثقہ رواۃ روایت نقل نہ کرے اس وقت تک وہی راوی مجہول العین شمار ہوتا ہے، اس روایت میں نہ صرف یہ کہ قبیصہ بن ہلب الطائی مجہول العین ہے بلکہ اس سے روایت کرنے والا راوی سماک پر بھی محدثین نے کلام کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ قبیصہ بن ہلب الطائی کی مذکورہ روایت کسی طرح بھی مذکورہ مسئلہ میں قابل استدلال نہیں۔

مرسل طاؤس: اس باب میں تیسری روایت طاؤس کا مرسل روایت ہے، دوسری بات یہ ہیں کہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں باب "باب وضع اليمنى على اليسرى فی الصلاة " کے تحت دو روایات نقل کئے ہیں لیکن اس میں مذکورہ الفاظ موجود نہیں ہیں، ابن الاعرابی کی نسخہ میں مذکورہ مرسل روایت

---

[1]: " سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني، ج:١١، ص:٤٠٥، رقم:٥٢٥٠۔

[2]: " سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني، ج:٣، ص:١٩١، رقم:١٠٧٦۔

[3]: " سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني، ج:٣، ص:١٩١، رقم:١٠٧٦۔

کی سند اس طرح ہے : "حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ ، حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ يَعْنِي ابْنَ حُمَيْدٍ عَنْ ثَوْرٍ ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى ، عَنْ طَاوُسٍ"۔

سلیمان بن موسی پر محدثین نے کلام کیا ہے،امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے منکر الحدیث کہاہے جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:عندہ مناکیر۔

بعض محدثین کے بقول وہ وہم کا شکار تھے ایسے روایات نقل کرتے تھے جسے اس کے علاوہ کوئی دوسرا نقل نہیں کرتا . علامہ مزی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"وقد روی أحادیث ینفرد بها یرویها لا یرویها غیره "۔[1] ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:"محله الصدق،وفی حدیثه بعض الاضطراب"۔[2] امام بخاري رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:"عنده مناکیر "[3]۔

علی ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:"وکان خولط قبل موته بیسر"۔[4] "یعنی وہ قبل الموت اختلاط کا شکار ہوگئے تھے"۔

---

1 : " تهذيب الكمال للإمام الحافظ المزي المتوفى ٧٤٢ھ، ج: ٤ ، ص: ٤٢٥ ، رقم الترجمة : ٢٨٧٢ ، مكتبه : دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني المتوفى ٨٥٢ھ، ج: ٣ ، ص: ٢٢٢ ، رقم الترجمة : ٢٩٩٦ ، مكتبه : دار الحديث القاهرة۔

2 : "تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني المتوفى ٨٥٢ھ، ج: ٣ ، ص: ٢٢٢ ، رقم الترجمة : ٢٩٩٦ ، مكتبه : دار الحديث القاهرة۔

3 : " تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني المتوفى ٨٥٢ھ، ج: ٣ ، ص: ٢٢٢ ، رقم الترجمة : ٢٩٩٦ ، مكتبه : دار الحديث القاهرة۔

4 : "تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلاني المتوفى ٨٥٢ھ، ج: ٣ ، ص: ٢٢٢ ، رقم الترجمة : ٢٩٩٦ ، مكتبه : دار الحديث القاهرة۔

مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"وأما اختلاطه قبل موته بقليل كما قال الحافظ في التقريب [ص]: ٣١٩ ، [رقم] ٢٦١٦ فيقتضي أن يكون حديثه هذا ضعيفا ما لم يثبت أنه رواه قبل اختلاطه"۔[1]

شعیب الأرناؤوط مسند أحمد کی روایت(من صلى بالليل فليجعل آخر صلاته...) کی تعلیق میں لکھتے ہیں:"قال الترمذي : وسليمان بن موسى قد تفرد به على هذا اللفظ، قلنا : لكن المرفوع منه عندنا هو قوله : "أوتروا قبل الفجر" وما سواه موقوف، قال الشيخ أحمد شاكر في تعليقه على الترمذي ٢ / ٣٣٣ : "يحتمل ان يكون سليمان بن موسى وهم فادخل الموقوف من كلام إبن عمر في المرفوع"۔[2]

سوال :بعض لوگوں نے مسند احمد، سنن ابی داود، صحیح ابن خزیمہ اور سنن دارمی وغیرہ کی ایک روایت سے بھی وضع اليدين على الصدر پر استدلال کیا ہے جس میں ہے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :"قُلْتُ : لَأَنْظُرَنَّ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَيْفَ يُصَلِّي ، فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ، فَقَامَ فَكَبَّرَ ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَتَا بِأُذُنَيْهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى كَفِّهِ الْيُسْرَى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ....."۔[3]

" وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے جی میں) کہا کہ میں یہ ضرور

---

[1]: أبكار المنن للمباركفوري، ص: ٣٧٥۔

[2]: "مسند أحمد محققا، ج:٠، ص:٤٣٨، رقم : ٦٣٧٢ ، مكتبه : مؤسسة الرسالة۔

[3]: "أخرجه النسائي في سننه ، كِتَابُ السَّهْوِ ، بَابٌ : قَبْضُ الثِّنْتَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدِ الْيُمْنَى ، رقم الجزء : ٣ ، رقم الحديث : ١٢٦٨۔

دیکھوں گا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کیسے پڑھتے ہیں؛ چناچہ میں نے آپ (ﷺ) کو دیکھا کہ آپ کھڑے ہوئے تو اللہ اکبر کہا، اور اپنے دونوں ہاتھ یہاں تک اٹھائے کہ انہیں اپنے کانوں کے بالمقابل لے گئے،پھر آپ نے اپنا داہنا ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی (کی پشت)، کلائی اور بازو پر رکھا "۔

نیز سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں:"كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ"۔[1]

البانی تحریر فرماتے ہیں:"فإن قلت: ليس في الحديثين بيان موضع الوضع !قلت: ذلك موجود في المعنى؛ فإنك إذا أخذت تُطبّق ما جاء فيهما من المعنى؛فإنك ستجد نفسك مدفوعاً إلى أن تضعهما على صدرك، أو قريباً منه، وذلك ينشأ من وضع اليد اليمنى على الكف والرسغ والذراع اليسرى، فجرِّب ما قلتُه لك تجدْه صواباً فثبت بهذه الأحاديث أن السنة وضع اليدين على الصدر"۔[2]

" اگر کوئی کہے کہ ان دونوں حدیثوں میں ہاتھ رکھنے کی جگہ کا بیان نہیں ہے تو عرض ہے کہ معنوی طور اس کا ذکر موجودہے کیونکہ جب آپ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی ،کلائی اور بازو پر رکھیں گے تو آپ کے دونوں ہاتھ لازمی طور پر سینے پر یا اس کے قریب آئیں گے، ذرا آپ ہماری بات کا تجربہ کرکے دیکھئے آپ کو سچائی معلوم ہوجائے گی لہذا مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ نمازمیں دونوں ہاتھ کا

---

[1]: "صحيح البخاري كِتَابُ الْأَذَانِ ، بَابُ وَضْعِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ، رقم الحديث: ۷٤۰۔

[2]: 'أصل صفة صلاة النبي ﷺ للألباني:ج:۱، ص:۲۱۸۔

سینے پر رکھنا ہی سنت ہے"۔

بعض لوگ البانی کی تقلید میں کہتے ہیں کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ جب آدمی داہنا ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت اور کلائی پر رکھے تو وہ سینہ پر ہی آئیگا۔

جواب : حقیقت یہ ہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں "علی صدرہ" کے الفاظ موجود نہیں ہیں، اس لئے اس سے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے پر استدلال درست نہیں ہے، ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی **صحیح** میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت پر باب قائم کیا ہے : "**باب وضع بطن الکف الیمنی علی الکف الیسری والرسغ والساعد جمیعا**" ۔ابن حزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ باب سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت کا حاصل یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی اور رسغ و ساعد پر رکھا جائے۔فقط

اسی طرح فریق مخالف کے لئے سہل بن سعد کی روایت (: **كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ**") سے بھی استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں **فوق الصدر** یا **علی الصدر** کے الفاظ موجود نہیں ہیں ۔رہی یہ بات کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ جب آدمی داہنا ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت اور کلائی پر رکھے تو وہ سینہ پر ہی آئیگا ۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اگر دایاں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی اور بازو پر رکھا جائے تو یہ ضروری نہیں کہ سینہ پر ہی آئے گا بلکہ مذکورہ ہیئت میں ناف کے نیچے بھی باندھا جاسکتا ہے، بلکہ جو لوگ سینہ پر ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں وہ بھی داہنا ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھ کر نماز پڑھتے ہیں، اس لئے یہ کہنا غلط کہ مذکورہ روایت میں بیان شدہ صورت پر عمل کرنا ہو تو تجربہ سے ثابت ہے کہ اس کے لئے ہاتھ سینہ پر باندھنا ہوگا ۔ نیز مذکورہ تجربہ

موصوف (البانی) کا ذاتی اختراع شدہ تجربہ ہے، مذکورہ روایتوں میں اس قسم کے تجربوں کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

ابن باز تحریر فرماتے ہیں:"..... . فدل ذلك على أنه في الصلاة إذا كان قائما يضع يده اليمنى على ذراعه اليسرى، والمعنى على كفه وطرف ذراعه؛ لأن هذا هو الجمع بينه وبين رواية وائل بن حجر. فإذا وضع كفه على الرسغ والساعد فقد وضعه على الذراع؛ لأن الساعد من الذراع فيضع كفه اليمنى على كفه اليسرى، وعلى الرسغ والساعد، كما جاء مصرحا به في حديث وائل..."۔[1]

نیز سہل بن سعد کی روایت کے بارے میں مولوی امین اللہ خود لکھتے ہیں :"پدے حدیث کښں سهل بن سعد [رضی الله عنه] دا ذکر نه کړل چې په کوم ځائے کښں به لاسونه تړی"۔[2]

"اس حدیث میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ہاتھ کہاں باندھے جائے"۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے :"......أبا مجلز ...قال يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ويجعلها أسفل من السرة"۔[3]

نیز سنن ابی داود کی روایت میں ہے علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ"۔[4]

---

[1]: "فتاوى نور على الدرب لابن باز، ج: ٨، ص: ١١٢۔

[2]: "الحق الصريح شرح مشكاة المصابيح، ج: ٤، ص: ١١٩۔

[3]: "مصنف إبن أبي شيبة، ج:١، ص: ٣٩٠، رقم : ٣٩٦٣۔

[4]: "أخرجه أبو داود في سننه، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابٌ: وَضْعُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ، رقم

اسی طرح أبو وائل الاسدی کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں:"قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَخْذُ الْأَكُفِّ عَلَى الْأَكُفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ"۔[۱]

سوال : بعض لوگ کہتے ہیں کہ **تحت السرۃ** کا مقام ستر عورت میں سے ہے اس لئے اس پر ہاتھ باندھنا تعظیم کے خلاف فعل ہے ۔

جواب: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی **جامع** میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ان میں سے **بعض تحت السرۃ** اور **بعض فوق السرۃ** ہاتھ باندھنے کے قائل تھے اب ان لوگوں سے عرض یہ ہے کہ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں تعظیم کے خلاف افعال کا ارتکاب کرتے تھے ؟ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی **جامع** میں تحریر فرماتے ہیں :" وَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يَضَعَهُمَا فَوْقَ السُّرَّةِ، وَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يَضَعَهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ، وَكُلُّ ذَلِكَ وَاسِعٌ عِنْدَهُمْ "۔[۲]

خلاصہ یہ ہے کہ کسی مرفوع، متصل، صحیح اور صریح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دوران قیام ہاتھ سینہ پر باندھتے تھے ۔

الجزء :۱ ، رقم الصفحة : ۳۳۸ ، رقم الحديث : ۷۵۶ ۔

[۱] : "سنن أبي داود كتاب الصلاة، بَابٌ : وَضْعُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ، رقم الجزء :۱ ، رقم الصفحة:۳۳۸ ، رقم الحديث : ۷۵۸ ۔

[۲] : "سنن الترمذي ، أَبْوَابُ الصَّلَاةِ ، بَابٌ : وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلَاةِ۔

کیا فجر کے دو رکعت سنتیں سورج طلوع ہونے سے قبل پڑھنا افضل ہے؟

اعتراض نمبر ١٦ : نماز فجر کی سنتیں چھوٹ جائے تو اسے فرض نماز کے فورا بعد پڑھنا سنت اور افضل ہے جبکہ فقہ حنفی میں ہے کہ اسے سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھنی چاہیے ۔

جواب: شریعت مطہرہ میں دیگر نمازوں کی سنتوں کی مستقل طور پر قضا لازم نہیں ہے، البتہ فجر کی نماز کی سنتوں کی تاکید کی وجہ سے حکم یہ ہے کہ اگر وہ تنہا یا فجر کی فرض نماز کے ساتھ رہ جائیں تو طلوع کا انتظار کرکے اشراق کا وقت ہوجانے کے بعد اسے پڑھنا چاہیے اسے قبل الاشراق پڑھنا صحیح احادیث کی رو سے درست نہیں ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: **نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاتَيْنِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ**"۔[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نمازوں سے ممانعت فرمائی فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک اور عصر کے بعد غروب ہونے تک"۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں:"**سَمِعْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنْ**

---

[1]: أخرجه البخاري في صحيحه ، كِتَابٌ : مَوَاقِيتُ الصَّلَاةِ ، بَابٌ : لَا تُتَحَرَّى الصَّلَاةُ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ ، رقم الجزء : ١ ، رقم الحديث : ٥٨٨۔

و مسلم في صحيحه ، كِتَابٌ : الْمَسَاجِدُ وَمَوَاضِعُ الصَّلَاةِ ، بَابٌ : الْأَوْقَاتُ الَّتِي نُهِيَ عَنِ الصَّلَاةِ فِيهَا ، رقم الجزء : ٢ ، رقم الحديث : ٨٢٥۔

أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ ، مِنْهُمْ عُمَرُ ، وَكَانَ مِنْ أَحَبِّهِمْ إِلَيَّ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ، وَعَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ "۔[1]

نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں :"قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : " مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ "۔[2] "جو فجر کی دو رکعت کو ادا نہ کر سکا ہو تو طلوع آفتاب کے بعد ادا کرے"۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ فَعَلَهُ.."۔ "ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز فجر کی قضاء شدہ سنتیں بعد طلوع آفتاب ادا کئے تھے"۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز فجر کی سنتیں نماز فجر کے بعد نہیں پڑھنی چاہیے لیکن اگر فوت ہوجائے تو اسے مذکورہ وقت میں پڑھنا بھی جائز ہے،یعنی یہ لازمی نہیں کہ طلوع آفتاب کا انتظار کیا جائے، اس کا جواب یہ ہے کہ بعد الصلوۃ یعنی سورج طلوع ہونے سے قبل اسے پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ مذکورہ حدیث میں اسے بعد الصلوۃ پڑھنے سے نہی موجود ہے جیسا کہ شوکانی تحریر فرماتے ہیں :"والحديث استدل به على ان من لم يركع ركعتي الفجر قبل الفريضة فلا يفعل بعد الصلاة حتى تطلع الشمس ويخرج الوقت المنهى عن الصلاة فيه والى ذلك ذهب الثورى والشافعي وأحمد وإسحاق "۔[3]

---

[1]: "سنن النسائي ، كِتَابُ الْمَوَاقِيتِ ، النَّهْيُ عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ ، رقم الجزء : ١ ، رقم الحديث : ٥٦٢۔

[2]: " سنن الترمذي ، أَبْوَابُ الصَّلَاةِ ، بَابٌ : مَا جَاءَ فِي إِعَادَتِهِمَا بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ ، رقم الجزء : ١ ، رقم الحديث : ٤٢٣۔

[3]: "نيل الاوطار للشوكاني ، ج : ٣ ، ص : ٣٢۔

اعتراض : ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت صحیح نہیں ہے، عمرو بن عاصم نے اسے نقل کرنے میں تفرد کیا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کرنے میں عمرو بن عاصم کی تفرد کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ : ": هذا حديث لا نعرفه إلا من هذا الوجه.."۔امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:تفرد به عمر إبن عاصم"۔

جواب : مذکورہ روایت صحیح ہے البانی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ قول کی جواب میں تحریر فرماتے ہیں :"وأشار البيهقي إلى رد مثل هذا الاعلال بقوله عقب الحديث : تفرد به عمر إبن عاصم والله تعالى أعلم وعمرو بن عاصم ثقة "، قلت : واحتج به الشيخان فلا يرد حديثه بمجرد التفرد"۔[1]

مذکورہ روایت صحیح ہے البانی نے اسے ("صحيح ابن حبان" مخرجا ج: ٦ ، ص: ٢٢٤ ، رقم الحديث : ٢٤٧٢ ۔ سلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم الحديث : ٢٣٦١ ۔ سنن الترمذي محققا ، ج: ٢ ، ص: ٢٨ ، رقم الحديث : ٤٢٣ ۔صحيح موارد الظمآن الى زوائد إبن حبان ، سلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم الحديث : ٢٣٦١ ۔ صحيح الجامع الصغير وزيادته ، ج: ٢ ، ص: ١١١٥ ، رقم الحديث : ٦٥٤٢ ، میں) صحیح کہا ہے۔

صحیح ابن حبان کے محقق شعیب الأرناؤوط مذکورہ روایت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:"إسناده صحيح على شرط البخاري "۔[2]

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"هذا حديث صحيح على شرط الشيخين

---

[1]: "سلسلة الأحاديث الصحيحة ، ج: ٥، ٤٧٨۔

[2]: "صحيح ابن حبان مخرجا ، ج: ٦ ، ص: ٢٢٤ ، رقم الحديث : ٢٤٧٢۔

ولم يخرجاه"۔[١]

سوال : بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز فجر سے فوری بعد دو رکعت سنتیں قضاء پڑھے تھے جیسا کہ عطیہ العوفی کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں :"**رأيت إبن عمر قضاهما حين سلم الإمام** "۔[٢]

جواب : مذکورہ روایت کی سند میں ابن عطیہ العوفی، اور فضیل بن مرزوق ضعیف ہیں، اس لئے مذکورہ روایت سند کی لحاظ ضعیف روایت ہے۔ مسند احمد میں بعینہ یہی سند (**حدثنا وكيع عن فضيل بن مرزوق عن عطية العوفي عن إبن عمر**...) موجود ہے جس کے بارے میں شعیب الارناؤوط تحریر فرماتے ہیں:"**إسناده ضعيف لضعف عطية بن سعد العوفي** "۔[٣]

نیز شعیب الارناؤوط نے عطیہ العوفی کے دیگر مروایات کو بھی اسکی ضعف کی وجہ سے ضعیف کہا ہے ۔اسی طرح مذکورہ روایت میں عطیہ العوفی سے نقل کرنے والا راوی "**فضيل بن مرزوق** " کے بارے علماء کرام فرماتے ہیں کہ وہ عطیہ العوفی سے موضوع احادیث نقل کرتا تھا البانی نے فضیل بن مرزوق کو ضعیف کہاہے: **وفضيل بن مرزوق فيه ضعف** "۔[٤]

البانی فضیل بن مرزوق کے بارےمیں تحریر فرماتے ہیں:"**وقال إبن ابي حاتم عن ابيه : صالح الحديث صدوق يهم كثيرا ،قلت: يحتج به ؟ قال لا ، وقال**

١: "المستدرك على الصحيحين، ج:١، ص:٤٠٨، رقم الحديث: ١٠١٥۔

٢: "مصنف إبن أبي شيبة، ج:٢، ص: ٢٥٥، رقم الحديث: ٦٥٠٩۔

٣: "مسند أحمد، مُسْنَدُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، رقم الجزء: ١٠، رقم الحديث: ٥٨٤٢۔

٤: "سلسلة الأحاديث الضعيفة، ج: ٩، ص: ٢٨٦، رقم الحديث: ٤٢٩٤۔

النسائی:ضعیف...قال مسعود عن الحاکم لیس ھو من شرط الصحیح... قال ابن حبان فی الثقات : یخطئ، وقال فی الضعفاء : کان یخطئ علی الثقات ویروي عن عطیة الموضوعات، فانت تری انه قد ضعفه مع أبی حاتم النسائی والحاکم وابن حبان مع انھما من المتساھلین فی التوثیق "۔[1]

"إرواء الغلیل "میں تحریر فرماتے ہیں:"...قلت : کیف ذلك وفیھم فضیل و عطیة، والثاني أسوأ حالا من الأول"۔[2]

دوسری جگہ عطیہ العوفی کا روایت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :"قلت : وھذا سند مسلسل بالضعف من أجل عطیة وفضیل وقد شرحت حالھما فی " الأحادیث الضعیفة "۳۱/۱و۳۲)"۔[3]

اس بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز سے چھوٹ گئی سنتیں بعد طلوع الشمس ادا کئے تھے،چنانچہ اس بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کے صحیح روایت ملاحظہ ہو :"حدثنا وکیع عن فضیل بن غزوان عن نافع عن إبن عمر : أنه جاء الی القوم وھم في الصلاۃ ،ولم یکن صلی الرکعتین فصلی معھم ، ثم جلس فی المصلاۃ ، فلما أضحی قام فقضاھما"۔[4]

"حدثنا وکیع عن یزید وربیع عن إبن سرین عن إبن عمر انه صلاھما

[1]: "سلسلة الأحادیث الضعیفة،ج:۱،ص: ۸۳ رقم الحدیث : ۲۳۔

[2]: "إرواء الغلیل في تخریج أحادیث منار السبیل،ج: ۳،ص: ۵۳۔

[3]: " إرواء الغلیل،ج: ۳،ص: ۵۳۔

[4]: " مصنف إبن أبي شیبة،ج: ۲،ص:۲۵۵ ،رقم الحدیث : ٦۵۰٦۔

بعد ما أضحى"۔[١]

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"واما قضاء إبن عمر والقاسم بن محمد ركعتي الفجر بعد طلوع الشمس فذلك دليل على انهما عندهما من مؤكدات السنن"۔[٢]

بعض لوگوں نے قیس بن عمرو کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ قیس بن عمرو نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صبح کے دو رکعات سنتوں کے متعلق پوچھا: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : فَلَا إِذَنْ" جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے :"خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الصُّبْحَ، ثُمَّ انْصَرَفَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَوَجَدَنِي أُصَلِّي، فَقَالَ : " مَهْلًا يَا قَيْسُ، أَصَلَاتَانِ مَعًا ؟". قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي لَمْ أَكُنْ رَكَعْتُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قَالَ : "فَلَا إِذَنْ"۔[٣]

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ روایت مرسل ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :"حَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ لَا نَعْرِفُهُ مِثْلَ هَذَا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ. وَقَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ : سَمِعَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ، مِنْ سَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ هَذَا الْحَدِيثَ. وَإِنَّمَا يُرْوَى هَذَا الْحَدِيثُ مُرْسَلًا"۔[٤]

---

[١]: " مصنف إبن أبي شيبة، ج:٢، ص:٢٥٥، رقم الحديث:٦٥٠٧ ٦٥٠٦۔

[٢]: " الاستذكار لابن عبد البر، ج:٢، ١٢٩۔

[٣]: " أخرجه الترمذي في سننه، أَبْوَابُ الصَّلَاةِ، بَابٌ: مَنْ تَفُوتُهُ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ، رقم الجزء :١، رقم الحديث: ٤٢٢۔

[٤]: " سنن الترمذي، أَبْوَابُ الصَّلَاةِ، بَابٌ: مَنْ تَفُوتُهُ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"وكان ابن عمر يقضيهما من الضحى، وحديث قيس مرسل قاله أحمد ، والترمذي، لانه يرويه محمد بن إبراهيم عن قيس، ولم يسمع منه ، وروي من طريق يحي بن سعيد من طريق يحي بن سعيد عن جده، وهو مرسل أيضا"۔[1]

نیز "فَلَا إِذَنْ" کے الفاظ میں نہی کا احتمال بھی موجود ہے ظاہر یہی ہے کہ مذکورہ روایت میں "فَلَا إِذَنْ" کے الفاظ انکار کے معنی میں ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں درج نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں :"انْطَلَقَ بِي أَبِي يَحْمِلُنِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، اشْهَدْ أَنِّي قَدْ نَحَلْتُ النُّعْمَانَ كَذَا وَكَذَا مِنْ مَالِي. فَقَالَ : " أَكُلَّ بَنِيكَ قَدْ نَحَلْتَ مِثْلَ مَا نَحَلْتَ النُّعْمَانَ ؟ " قَالَ : لَا. قَالَ : " فَأَشْهِدْ عَلَى هَذَا غَيْرِي "، ثُمَّ قَالَ : " أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً ؟ " قَالَ : بَلَى. قَالَ : "فَلَا إِذَنْ "۔[2]

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"ورواه الترمذي قال : {قلت : يا رسول الله إني لم اكن ركعت ركعتي الفجر ،قال : فلا إذن ". وهذا يحتمل النهي ، وإذا كان الأمر هكذا كان تاخيرها الى وقت الضحى أحسن، لنخرج من الخلاف ، ولا نخالف عموم الحديث "۔[3]

صَلَاةِ الْفَجْرِ ، رقم الجزء :١ ، رقم الصفحة : ٤٤٧۔

[1]: " المغنى لابن قدامة المقدسي ، ج:١ ، ص: ٧٩٣ ، رقم المسئلة: ١٠٣٠۔

[2]: " أخرجه مسلم صحيحه كِتَابٌ : الْهِبَاتُ ، بَابٌ : كَرَاهَةُ تَفْضِيلِ بَعْضِ الْأَوْلَادِ فِي الْهِبَةِ ، رقم الجزء : ٥ ، رقم الحديث : ١٦٢٣۔

[3]: " المغنى لابن قدامة المقدسي ، ج:١ ، ص: ٧٩٣ ، رقم المسئلة: ١٠٣٠۔

سوال : صحیح ابن حبان میں درج قیس بن قھد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کے سامنے نماز فجر کے بعد دو رکعات سنتیں پڑھے اور آپ ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا، چنانچہ قیس بن قھد کی روایت میں ہے :"أنه صلى مع رسول الله ﷺ الصبح؛ ولم يكن ركع الركعتين قبل الفجر. فلما سلم رسول الله ﷺ؛ قام فركع ركعتي الفجر ورسولُ الله ﷺ ينظر إليه، فلم ينكر ذلك عليه"۔[1]

جواب: صحیح ابن حبان کی مذکورہ روایت موصولا صحیح نہیں ہے جیسا کہ البانی تحریر فرماتے ہیں:"وقد جاء موصولاً: أخرجه ابن حبان (٦٢٤)، والدارقطني (١٤٧)، والحاكم (٢٧٥ ١/٢٧٤) من طرق عن اسد بن موسى: حدثنا الليث بن سعد: حدثنا يحيى بن سعيد عن أبيه عن جده قيس بن قهد: "أنه صلى مع رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصبح؛ ولم يكن ركع الركعتين قبل الفجر. فلما سلم رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ قام فركع ركعتي الفجر ورسولُ الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ينظر إليه، فلم ينكر ذلك عليه. وقال الحاكم: " قيس بن قهد الأنصاري صحابي، والطريق إليه صحيح على شرطهما "! وأقره الذهبي! وهو خطأ منهما؛ فإن أسد بن موسى وإن كان ثقة على كلام فيه؛ فليس على شرط الشيخين. وسعيد والد يحيى وهو سعيد بن قيس بن عمرو الأنصاري لم يخرج لها الشيخان؛ بل ولا بقية الستة شيئاً؛ وقد أورده ابن أبي حاتم (٥٦ ٢/١/٥٥)، ولم يذكر فيه جرحاً ولا تعديلاً. وأما ابن حبان؛ فذكره في "الثقات "(٤/٢٨١) برواية يحيى ابنه عنه! وقرن معه ابن أبي

---

[1]: " صحيح ابن حبان مخرجا، ج: ٤، ص: ٤٢٩، رقم الحديث: ١٥٦٣۔

حاتم: سعد بن سعيد! وفيه نظر؛ لأنه إنما روى عن محمد بن إبراهيم، كما في رواية ابن نمير عند المصنف وغيره. ومن الغرائب: أن (سعيد بن قيس) لم يترجموا له في "تهذيب الكمال" وفروعه! ولم يذكره الذهبي في "الميزان" و "المغني" وأسد بن موسى؛ قال في "التقريب": "صدوق يغرب "قلت: وقد خولف؛ فقال أحمد (٥/٤٤٧): ثنا عبد الرزاق: أنا ابن جريج قال: وسمعت عبد الله بن سعيد أخا يحيى بن سعيد يحدث عن جده قال: خرج إلى الصبح ... الحديث! هكذا وقع في "السند"، وكذلك نقله الحافظ في "الإصابة"! قال المحقق أحمد شاكر على "الترمذي": "ولم أجد ترجمة لعبد الله بن سعيد في كتب الرجال، ولم يذكره الحافظ في "تعجيل المنفعة". فالراجح عندي أن هذا خطأ من الناسخين، وأن صوابه: عبد ربه ابن سعيد، وتكون هي الرواية التي أشار إليها أبو داود". قلت: وعبد ربه ثقة، علما في "ابن أبي حاتم" (٣/١/٤١). قال ابن معين: "ثقة مأمون". قلت: فمخالفة أسد بن موسى مع ما فيه من الكلام لمثل عبد ربه بن سعيد؛ مما لا يطمئن القلب له؛ لا سيما وقد تابعه أخوه يحيى بن سعيد كما ذكر المصنف على إرساله؛ فهو الأرجح"[1]۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ روایت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: "وذكروا حديثه فى الركعتين بعد الصبح، وهو حديث ضعيف، قالوا وهو جد يحي إبن سعيد الأنصاري"۔[2]

---

[1]: " سنن أبي داود محققا، اول كتاب الصلاة، باب من فاتته، متى يقضيها؟، ج:٥، ٨٧۔

[2]: " تهذيب الأسماء واللغات للإمام محي الدين النووي المتوفى ٦٧٦ھ، ج:٢، ص: ٦٣۔

مشہور محدث ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مذکورہ روایت کی ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ روایت کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:" ثنا الربیع بن سلیمان المرادي ونصر بن مرزوق بخبر غریب قالا..."۔[1]

مسند احمد کے محقق شعیب الأرناؤوط سعید بن قیس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :"لم یوثقه غیر إبن حبان....اسد بن موسی : وإن کان صدوقا یغرب وهذا الحدیث عند ابن مندة من غرائبه"۔[2]

مسند أحمد کے محقق شعیب الأرناؤوط مذکورہ روایت سے متعلق تحریر فرماتے ہیں : "وقد عد ابن مندة فیما نقله ابن حجر فی الإصابة ٥ / ٤٩٢ هذا الحدیث من غرائب اسد بن موسی فقد تفرد به موصولا"۔[3]

شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول سعید بن قیس کی اپنے والد قیس بن عمرو سے سماع ثابت نہیں، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں :"وقد قیل : ان سعید بن قیس لم یسمع من ابیه ، فیصح ما قاله الترمذي من الانقطاع"۔[4]

امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :"قال المذي فی التقریب : وقیل لم یسمع منه اي من ابیه"۔[5]

---

[1]: " صحیح إبن خزیمه ، ج:۲ ، ص: ١٦٤ ، کتاب الصلاة ، رقم الحدیث : ۱۱۱٦ ، الناشر : المکتب الإسلامي بیروت۔

[2]: " صحیح إبن حبان مخرجا ، ج: ٤ ، ص: ٤۲۹ ، رقم الحدیث : ١٥٦٣۔

[3]: " مسند أحمد محققا ، ج:۳۹ ، ص: ۱۷۲۔

[4]: " نیل الاوطار ، ج: ۳ ، ص: ۳۳ ، **الناشر : دار الحدیث، مصر۔**

[5]: " تحفة التحصیل فی ذکر رواة المراسیل ، ج:۱ ، ص: ۱۲۷۔

امام مزي رحمۃ اللہ علیہ قیس بن عمرو الانصاری کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :"روی عنه إبنه سعيد بن قيس بن عمرو وقيل لم يسمع منه وقيس بن ابی حازم ومحمد بن إبراهيم بن الحارث التيمی ، قال الترمذي ولم يسمع منه "۔[1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"وأخرجه إبن مندة من طرق اسد بن موسى عن الليث عن يحي أبيه عن جده وقال غريب تفرد به اسد موصولا وقال غيره عن الليث عن يحي ان حديثه مرسل، والله أعلم "۔[2]

البانی اسد بن موسیٰ کی ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :"وقد جزم الحافظ وغيره بأنه خطأ وان الصواب رواية الجماعة وأنه من مسند أبي هريرة وأنا أظن أن الخطأ من اسد بن موسى لأنه خالف الجماعة ولأن فيه بعض الكلام كما تراه فی التقريب وقال الحافظ فی التقريب صدوق يغرب وفيه نصب"۔[3]

اس کے باوجود اگر کوئی مذکورہ روایت کی سند کا متصل ہونے کا دعوی کرت تو اس پر لازم ہے کہ پہلے سعید بن قیس کا اپنے والد قیس بن عمرو سے سماع ثابت کرے۔

بعض لوگ صحیح بخاری کی ایک روایت پر قیاس کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعات سنتیں بعد العصر پڑھیں، روایت ملاحظہ ہو :"عن أُمِّ سَلَمَةَ :

---

[1]: " تهذيب الكمال للمزی ، ج:۸، ص: ۴۰۳ ، رقم الترجمة : ۵۵۴۱۔

[2]: " سلسلة الأحاديث الضعيفة، ج:۱۱، ص: ۵۶۳ ، رقم الحديث : ۵۳۴۴۔

[3]: " الإصابة لابن حجر العسقلاني، ج:۵ ، ص: ۳۷۳ ، رقم الترجمة : ۷۲۲۶۔

صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ، وَقَالَ : شَغَلَنِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ "۔[1]

یعنی جب ظہر کی سنتوں کی قضا عصر کے وقت (جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور پھر بھی آپ ﷺ سے اس کا) پڑھنا ثابت ہے ، تو "بعد الصلاۃ الفجر " بھی پڑھنا جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کے خصوصیات میں سے تھا، یہ بات مسند احمد کی ایک روایت سے بھی معلوم ہوتی ہیں، ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں : صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ، ثُمَّ دَخَلَ بَيْتِي، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، صَلَّيْتَ صَلَاةً لَمْ تَكُنْ تُصَلِّيهَا ؟ فَقَالَ : " قَدِمَ عَلَيَّ مَالٌ، فَشَغَلَنِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ كُنْتُ أَرْكَعُهُمَا بَعْدَ الظُّهْرِ، فَصَلَّيْتُهُمَا الْآنَ ". قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَنَقْضِيهِمَا إِذَا فَاتَتْنَا ؟ قَالَ : "لَا "۔[2]

مسند ابی یعلی میں مذکورہ سند موجود ہے جس کے بارے میں مسند ابی یعلی کے محقق حسین سلیم اسد تحریر فرماتے ہیں :"إسناده صحيح"۔[3]

مذکورہ روایت کی سند کو شعیب الارناؤوط نے صحیح ابن حبان محققا میں صحیح کہا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں :"إسناده صحيح رجاله ثقات رجال الصحيح"۔[4]

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ روایت کے اسناد کو جید کہا ہے چنانچہ وہ تحریر

---

[1]: " الإصابة لابن حجر العسقلاني، ج: ٥، ص: ٣٧٣ ، رقم الترجمة : ٧٢٢٦۔

[2]: " مسند أحمد، مُسْنَدُ النِّسَاءِ ، حَدِيثُ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، رقم الجزء : ٤٤، رقم الحديث : ٢٦٦٧٨۔

[3]: "مسند أبي يعلى محققا، ج: ١٢، ص: ٤٥٧ ، رقم الحديث : ٧٠٢٨۔

[4]: " صحيح إبن حبان، ص: ٧٦٤ ، رقم الحديث : ٢٦٥٣ مؤسسة الرسالة بيروت لبنان۔

فرماتے ہیں :"أخرجه الإمام أحمد وابن حبان في صحيحه وإسناده جيد "۔[1]

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری کی مذکورہ روایت کی تشریح میں فرماتے ہیں :کہ امام مالک، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما عصر کے نماز کے بعد نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آثار متواترہ میں صلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس اور صلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس سے نہی منقول ہے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بعد العصر نماز پڑھنے والے کو مارتے تھے جبکہ کسی صحابی نے آپ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ عمل پر انکار نہیں کیا، چنانچہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ صحیح البخاری کی ایک روایت کی تشرح میں تحریر فرماتے ہیں : "فدل أن صلاته عليه السلام، الركعتين بعد العصر خصوص له دون أمته قال الطحاوى: ومما يدل على ذلك ما أخبرنا به على بن شيبة، أخبرنا يزيد بن هارون، قال: ثنا حماد بن سلمة، عن الأزرق بن قيس، عن ذكوان، عن أم سلمة قالت:صلى الرسول صلی اللہ علیہ وسلم العصر، ثم دخل بيتى، فصلى ركعتين، فقلت: يا رسول الله، صليت صلاة لم تكن تصليها قال: (قدم علىّ مال، فشغلنى عن ركعتين كنت أركعهما بعد الظهر، فصليتهما الآن)، قلت: يا رسول الله، أفنقضيهما إذا فاتتانا؟ قال: (لا)، فنهى عليه السلام فى هذا الحديث أن يصليهما أحد بعد العصر قضاء عما كان يصليه بعد الظهر "۔[2]

اسی طرح صنعانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"والحديث دليل على ما سلف من

---

[1]: " فتح الباري لابن رجب رحمۃ اللہ علیہ، ج: ۳، ص: ۳۰۵، مکتبہ: دار إبن الجوزی۔

[2]: " شرح صحيح البخاري لابن بطال كِتَابٌ: مَوَاقِيتُ الصَّلاَةِ، بَابُ مَا يُصَلَّى بَعْدَ العَصْرِ مِنَ الْفَوَائِتِ، ج:۲، ص: ۲۱۰ ۔

ان القضاء فی ذلك الوقت كان من خصائصه ﷺ"۔[1]

شوکانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :"وصلاته ﷺ سنة الظهر بعد العصر مختص به لما ثبت عند احمد وغيره ممن قدمنا ذكرهم ان ﷺ لما قالت له ام سلمة افنقضيهما اذا فاتتنا؟ قال: لا"۔[2]

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: " قضاء الركعتين بعد العصر خصوصا له النبي ﷺ بدليل حديث أم سلمة يا رسول الله ﷺ أنقضيها إذا فاتتنا؟ قال: "لا""۔[3]

علامہ ابو صیری رحمۃ اللہ علیہ نے إتحاف الخيرة میں باب قائم کیا ہے"باب في خصائصه ﷺ" اس کے تحت لکھتے ہیں :"قلت : أخرجته لقولها افنقضيهما اذا فاتتنا؟ قال : لا"۔[4]

اسی طرح علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع الزوائد میں باب قائم کیا ہے "باب ما جاء في الخصائص" ۔اسی طرح مذکورہ روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں : قلت : في الصحيح بعضه بمعناه خاليا عن قولها : افنقضيهما اذا فاتتنا ؟ قال : لا" رواه أحمد وأبو يعلى بنحوه ورجالها رجال الصحيح"۔[5]

---

[1]: " سبل السلام "للصنعاني، ج:۱، ص: ۱۷٦، **الناشر: دار الحديث مصر۔**

[2]: " نيل الاوطار "للشوكاني، ج: ۳، ص: ۸٤، **الناشر: دار الحديث، مصر۔**

[3]: "بدائع الفوائد"، ج: ٤، ص: ۹۳، **الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان۔**

[4]: "إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة باب في خصائصه ﷺ، ج: ۷، ص: ۵۸، رقم الباب ۲۳: ، رقم الحديث: ٦۳۹۱۔

[5]: "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهيثمي، باب ما جاء في الخصائص ج: ۸، ص: ۲٦٤۔

علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ باب سے واضح ہوتا ہے کہ بعد العصر ظہر کے قضاء سنتیں پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات میں سے تھا، اسی طرح مشہور محدث علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں باب قائم کیا ہے " **باب ذكر البيان بان من فاتته ركعتا الظهر الى ان يصلى العصر ليس عليه إعادتها وإنما كان ذلك للمصطفى خاصة دون امته**"[1]

الغرض یہ کہ صبح کی دو رکعات سنتیں تنہا یا فجر کی فرض نماز کے ساتھ رہ جائیں تو سورج طلوع ہونے کا انتظار کرکے اشراق کا وقت ہوجانے کے بعد اسے پڑھنا چاہیے، اسے قبل الاشراق یعنی سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھنا صحیح احادیث کی رو سے درست نہیں ہے۔

کاتب: حشمت علی بن شاد علی

بروز: جمعة المبارک، ۲۸ جمادی الاولی ۱٤٤٤ ہجری

---

[1]: "صحيح إبن حبان، ص: ٧٦٤ ، رقم الحديث : ٢٦٥٣ مؤسسة الرسالة بيروت لبنان۔